



2096

8

رسول اللہ ﷺ کا طائر کی

جسمانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور علیہ مبارک پیشین
کیا گیا ہے اور حضور اکرم کی حیات مقدسہ کے وہ پاکیزہ واقعات
بیان کئے گئے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد حضور رسول مقبول
کی پوری زندگی آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے۔

از

خواجہ عبد القادر عظیمی

ناشر

سید احمد رضا سنز ناشران جمہوریہ
مکہ قرآن مجل مقابل مولوی
بنقلید راہ علی

جملہ حقوق بحق ناشران محفوظ ہیں

✓
۲۹۷۹۹۲۱

۲۸۲

۱۶۲۲۲

مطبعہ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

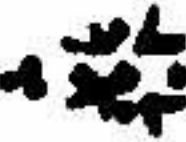
محمد سعید سنز تاجران کتب
مقابل مولوی مسافر خانہ - کراچی

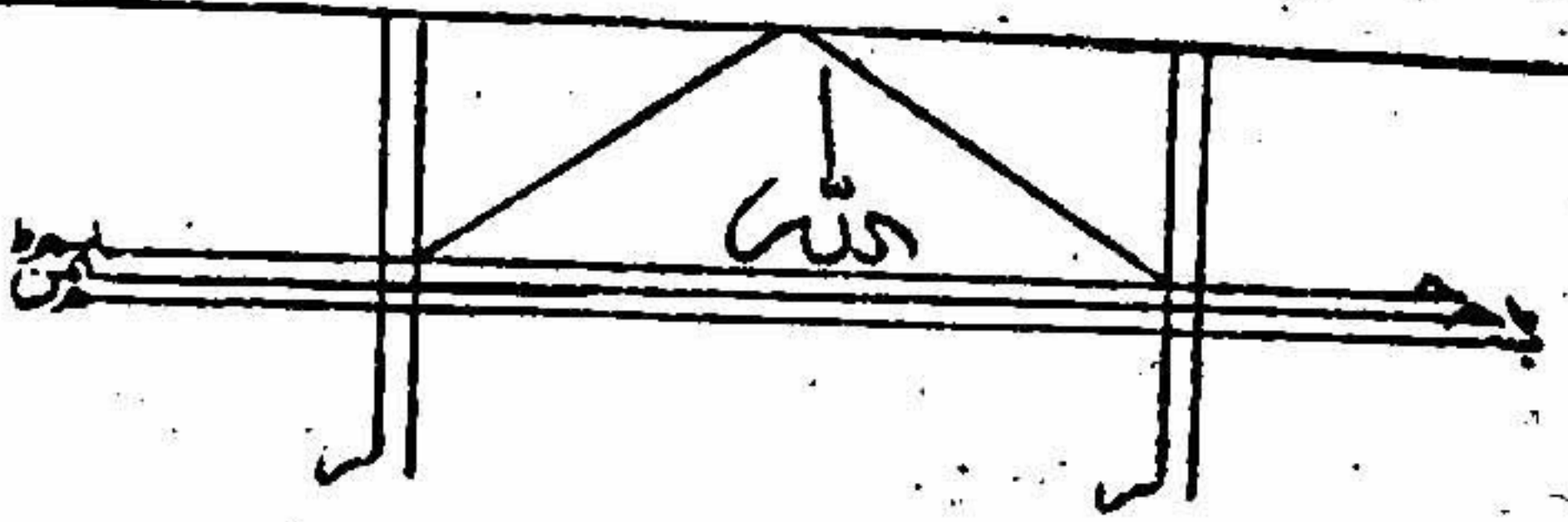
قیمت ۳۰۰۰

فہرست مضامین

۲۰	عبادت سے دلچسپی اور نبوت	۵	پارے بنی کی قلمی تصویر
۲۱	تبت پرستی کے خلاف کھلم کھلا جہاد	۷	رسول اللہ کا سراپا
۲۲	رسول اللہ صلیم کی مدینہ کو ہجرت	۱۰	رسول اللہ صلیم کی سونخ مبارک
۲۵	ہجرت کے بعد کے واقعات	"	محمد رسول اللہ کا خاندان
۲۶	رسول اللہ کی جنگی سرگرمیاں	"	تبت خانہ کا محافظ
۲۱	رسول اللہ کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ	"	رسول اللہ کے خاندان کے
۲۳	فتح مکہ کے بعد چند لڑائیاں	"	عربوں پر احسانات
۲۳	رسول اللہ کے سفیر دوسرے	۱۲	محمد رسول اللہ کے والد محترم
"	ممالک میں۔	"	اور والدہ محترمہ
"	رسول اللہ صلیم کا آخری حج	۱۳	رسول اللہ صلیم کی پیدائش
۲۶	رسول اللہ کی علالت اور وفات	"	اور بچپن۔
۲۷	رسول اللہ صلیم کا بلند کیرکٹر	۱۷	محمد رسول اللہ کی جوانی
۲۹	رسول اللہ کی قابل تقلید راہ عمل	"	محمد رسول اللہ صلیم سے حضرت خدیجہ کلاخ
۳۳	زخم و مرآت کا مجسمہ	"	عرب کے تمام قبائل میں آپ کی غیر معمولی عزت

۹۲	عدل و انصاف	۲۵	مساوات
۱۰۶	خود و سخا	۳۶	فروتنی و انکساری
۱۱۵	استقلال و استقامت	۳۹	ایمانی عہد
۱۲۷	توکل و اخلاقی بات	۵۱	اولاد کے ساتھ محبت
۱۳۳	قوم کا اعزاز و احترام	۵۸	امانت و دیانت
۱۳۸	عبادت و ریاضت	۶۲	شفقت و زرافت
۱۴۷	مزاج و تبسم	۷۳	عفت و عصمت اور شرم و حیا
۱۵۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروں کی نظریں۔	۷۸	ازواج مطہرات کے ساتھ محبت
		۸۸	اپنی گزران اور اسباب معیشت





محمد محمد - محمد محمد ﷺ

پیارے نبی کی قلمی تصویر

”محمد۔ محمد۔ محمد۔ محمد“ وہ پیارا نام ہے جو ذات باری کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ وہ مقدس نام ہے جس کے سامنے لوح قلم عرش کرسی اور ملائکہ سب ادب سے جھک جاتے ہیں اسی مبارک نام کی خاطر ساری کائنات پیدا ہوئی اور یہ دنیا عالم وجود میں آئی چشم حقیقت گواہ ہے کہ حضرت آدم کے خاکی جسم میں روح داخل ہوتے ہوئے جب گہرائی تو نور محمدی کی کشش نے روح کو کالید خاکی میں کھینچ کر خاک پتلم کو انسان بنا دیا۔ اور پھر یہی نور محمدی یکے بعد دیگرے برگزیدہ انبیاء میں منتقل ہوتا ہوا حضرت آمنہ کے بطن سے جب عرب کی سرزمین پر جلوہ گر ہوا تو اس نور کے جلوہ سے ساری دنیا جگمگا اٹھی۔

محمد کی پیاری صورت کے بارے میں کیا بتاؤں۔ تصویر کی آنکھ جب اس محبوب حقیقی کو دیکھتی ہے تو مہرہوت بن کر رہ جاتی ہے شکل انسانی میں ایک ایسا نور جلوہ گر ہے جس کی مثال نہ دنیا نے کبھی دیکھی ہے اور نہ دیکھے گی سچ تو یہ ہے کہ نورازی ہے جسے انسانی پیکر میں ڈھال دیا گیا ہے۔ گو دیکھنے میں گوشت اور

پوست کا ایک حسین مجسمہ ہے۔ لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ حقیقت میں کیا ہے۔
قدریا سرو کی طرح موزوں۔ ایسا موزوں کہ ہفت ہزار عالم کے حسینوں کو اس
قد موزوں پر قربان کیا جاسکتا ہے۔ رنگ گلاب کی نوخیز کلیوں کی طرح ایسا شگفتہ
کہ یہ معلوم ہوتا ہے جیسے باغ جناں کے تمام پھولوں کی رنگینیوں نے ایک پیکر انسانی
کی شکل اختیار کر لی ہو۔ خمدار زلفیں شانوں پر اس طرح جھومتی ہوئی جیسے حوض کوثر
پر فردوسی گھٹائیں برسنے کے لئے مضطرب ہوں۔

قربان اس بلند پیشانی کے جو بدر منیر کی طرح نور ہے۔ اور صدقے اس
ابروئے خمدار کے جو خنجر ہلالی کی طرح کھنچی ہوئی ہیں۔ اور حسین آنکھوں کے بارے
میں کیا بتاؤں۔ یہ نشہ وحدت میں ایسی سرشار ہیں کہ جس نے دیکھا مست ہو گیا اور
پتلے پتلے لب مبارک جیسے پھولوں کی پنکھڑیاں جن پر مسکراہٹ کھیل رہی ہو اور ان
حسین لبوں میں دُرِ عدن کی طرح چمکے ہوئے دندان مبارک

آواز میں لحن داؤدی کلم میں جادو۔ دل میں انسانیت اور ہمدردی کا سمندر
موجزن۔ غرض کہ آپ کی ذات اقدس دنیا کے لئے سرتاپا رحمت۔ آپ نہ آتے
تو یہ دنیا ہی عالم وجود میں نہ آتی۔ اور آپ آتے تو دنیا کی تاریکیاں نور میں بدل
گئیں۔ کفر کی ظلمتیں مٹ گئیں۔ اور یہ تاریک دنیا ایمان کی روشنی سے جگمگا اٹھی۔

قربان اس چشم تصور کے جس کے اکہینہ میں پیارے محبوب کا جلوہ دیکھ کر میں
یعنی گناہ گار امتی عقیدت سے حضور کے قدموں پر سر رکھ رہا ہوں اور وہ سعادت
حاصل کر رہا ہوں جو دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا



شمع رسالت کے دو پردے جو دل کی آنکھوں سے اپنے پیارے رسول کا جمال دیکھنا چاہتے ہیں ان کے لئے ذیل میں آقائے دو جہاں کا حلیہ مبارک درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس حلیہ مبارک کی مدد سے اپنے محبوب کا جمال دل کی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

رنگ و روپ ا۔۔۔ بھرا ہوا جسم۔ سرخ و سفید رنگ۔ وجاہت اور سطوت کا مجسمہ۔ انتہائی حسین و جمیل ہونے کے باوجود رعب اور وہدیر کا یہ عالم کہ کیا مجال کہ چہرہ مبارک کی جانب نظر کرنے کی جرات ہو سکے۔ قد میانہ اور نہایت موزوں پسینہ خوشبو میں ڈوبا ہوا۔ جس کیڑے میں لگ جاتا تھا آگ اتر نہیں کرتی مگر مبارک۔۔۔ بلند و بالا۔ سیاہ گیسوئے عنبریں۔ بعض کے نزدیک کانوں کی نو۔ تک اور بعض کے نزدیک دوش مبارک تک لہرتے ہوئے ایسی خوشبو سے معطر کہ جدھر آپ گذر جاتے تھے ساری فضا معطر ہو جاتی تھی۔

چہرہ مبارک۔۔۔ ایسا نورانی جس کے مقابلہ میں چودھویں رات کا

چاند بھی ماند دکھائی دیتا تھا۔ ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سونے کی گم ہو گئی۔ آپ تشریف لائے تو مکان ایسا روشن ہو گیا کہ سونے کی گم گئی۔

پیشانی مبارک :- منور اور کشادہ۔ ابرو خمدار۔ آنکھیں زرگی پتلی سیاہ اور سفیدی میں ہلکے ہلکے گلابی ڈورے۔ قوت باصرہ اتنی قوی تھی کہ آپ آسمان پر ثریا کے گیارہ ستارے جو بے حد چھوٹے ہوتے ہیں آسانی سے گن لیتے تھے۔
رخسار مبارک :- بھرے ہوئے گلاب کے پھول کی طرح درخشاں۔ جن میں بلا کی کشمکش تھی۔

بینی مبارک :- بلند اور دراز لیکن نہایت موزوں۔
گوش مبارک :- نہایت خوبصورت جن سے ہر وقت سرخی جھلکتی تھی۔
دہن مبارک :- بے حد حسین و جمیل۔ لعاب دہن اس قدر شیریں تھا کہ حضرت انسؓ کے گھر میں ایک کھاری کنواں تھا۔ اس میں لعاب دہن کا ایک قطرہ پڑ گیا تو بے حد شیریں ہو گیا۔

دندان مبارک :- سچے موتیوں کی طرح درخشاں تھے بائیں کرتے ہوئے ان سے نور جھڑتا تھا۔

لب مبارک :- گلاب کی دو حسین پتیوں کی طرح نہایت ہی نازک اور خوبصورت۔
ریش مبارک :- سیاہ۔ بے حد گھنی اور سینہ تک دراز تھی۔

گردن مبارک :- نہایت خوبصورت صراحی دار جو چاند کی طرح چمکتی تھی۔
سینہ مبارک :- صاف اور فراخ اور عریض تھا جس سے شجاعت طمکتی تھی۔

شکم مبارک :- سینہ کی برابر تھا۔ اور سینے سے ناف تک ایک باریک خط
 موکار نقاش ازل کی نقاشی کا شاہکار تھا۔
 دست مبارک :- زانو تک دراز تھے۔ بازو گول گول قدرت کی صناعتی
 کالا جواب نمونہ اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت حسین۔ ہتھیلیاں گوشت سے پر اور
 سرخ تھیں۔

پائے مبارک :- چلنے میں زمین سے اونچے رہتے تھے۔ پندلیاں نہایت
 خوبصورت تھیں اور پائے مبارک بھی نہایت خوبصورت تھے۔
 غوضکہ آقائے دو جہاں حسن و جمال میں قدرت کی فن کاری کا ایک
 شاہکار تھے حسن اور جاہت دونوں چیزوں خدائے آپ کو عطا کی تھیں۔

رسول اللہ صلعم کی سوانح مبارک

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں ایک بزرگ "قریش" نامی ہوئے ہیں جن کی اولاد خاندان قریش کے نام سے مشہور ہے۔ ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلعم اسی خاندان قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبو قریش کو نہ صرف مکہ میں بلکہ سارے عرب میں غیر معمولی عزت و وقعت حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت اسمعیل کی اولاد ہونے کی وجہ سے "قریش" چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے اس لئے سارے ملک عرب پر اسی دینی حکومت قائم تھی۔ اور خاندان قریش کو سر زمین عرب میں وہی درجہ حاصل تھا جو کسی شاہی خاندان کو حاصل ہونے لگا ہے۔

ملک عرب میں کسی خاص فرد یا خاندان کی بادشاہت تو تھی نہیں اس لئے دینی اور دنیاوی دونوں صورتوں میں خاندان قریش ہی سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ سب اسی خاندان کو اپنا حاکم اور رہنما سمجھتے تھے چنانچہ عرب کے سارے قبیلے اور سردار خاندان قریش کا بے حد احترام کرنے تھے اور ان کے حکم کو ماننا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ عرب کے مختلف قبیلوں میں جب کسی قسم کا جھگڑا ہوتا تو قریش ہی ان کا تصفیہ کراتے تھے۔

محمد رسول اللہ کا خاندان تنجانیہ کا محافظ
رسول اللہ صلعم کی پیدائش
سے قبل عربوں کا مذہب

بڑا عجیب و غریب مذہب تھا۔ عربوں کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف تو وہ نماز
پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے۔ حج کرتے تھے اور خدا کو مانتے تھے۔ دوسری
جانب وہ بتوں کی پرستش بھی ضرور کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ وہ
بتوں کے ذریعہ ہی خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے خانہ خدا یعنی
خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت لاکر رکھ دیئے تھے۔ یعنی انہوں نے دین ابراہیمی
الہیت پرستی کو ملا کر ایک نیا مذہب بنایا تھا۔

اس عجیب و غریب مذہب کی رہنمائی بھی خاندان قریش ہی کر رہا تھا۔
چونکہ وہی صدیوں سے خانہ کعبہ کا متولی چلا آتا تھا۔ جب خانہ کعبہ بت خانہ بن گیا
تو یہی خاندان اس بت خانہ کا محافظ اور نگران قرار دیا گیا۔ چنانچہ اسی خاندان
کے بنائے ہوئے نئے مذہب کے اصولوں کے مطابق عرب کے باشندے بت
پرستی کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ کے خاندان کے عربوں پر احسانات
رسول اللہ صلعم کے خاندان قریش

نے عربوں کی خوشحالی اور آزادی کے لئے بڑے بڑے کارنامے انجام
دستے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کے پردادا ہاشم بن عبدمناف جب مکہ
کے حاکم اور خانہ کعبہ کے متولی قرار دیئے گئے تو انہوں نے یمن اور شام
سے سلسلہ تجارت جاری کر کے اپنے ملک کو خوب خوشحال بنا دیا۔

ہاشم بن عبدمناف کے انتقال کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبدالمطلب جانشین قرار پائے تو ان کے چچا زاد بھائی امیہ نے ان کی بڑی مخالفت کی چونکہ امیہ یہ چاہتے تھے کہ عبدالمطلب کی بجائے انکو خانہ کعبہ کا متولی اور سردار بنایا جائے۔ لیکن سارا عرب رسول اللہ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا حامی تھا۔ اس لئے وہی سردار منتخب ہوئے اور امیہ کو ناکامی ہوئی جس کی وجہ سے خاندان امیہ آخر وقت تک رسول اللہ کے خاندان کا دشمن بنا رہا۔

حضرت عبدالمطلب ۵۲۰ سے ۵۷۰ تک تک خانہ کعبہ کے متولی اور مکہ کے حاکم رہے۔ انہوں نے عربوں کو خانہ جنگی کی لغت سے پاک کیا۔ اور انہیں متحد کر کے ملک عرب کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ لیکن انہوں نے نہایت تدبیر اور ہوشمندی سے کام لیکر ملک کو ان تمام بیرونی حملہ آوروں سے بچا لیا۔

جو عرب کی خانہ جنگی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ملک کو ہضم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب شمال سے رومی میسائیوں نے مشرق سے ایرانیوں نے اور جنوب سے حبشیوں نے عرب پر حملے شروع کئے تو عبدالمطلب بن ہاشم کی سرکردگی میں تمام عربوں نے متحد ہو کر ان حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔

اور اس کے بعد کسی بیرونی حملہ آور کو عرب پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

محمد رسول اللہ صلعم کے والد محترم اور والدہ محترمہ
رسول اللہ صلعم کے

وادا حضرت عبدالمطلب کے تیرہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ جن بیٹوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

رسول اللہ صلعم کے والد محترم حضرت عبد اللہ، حضرت ابوطالب، حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ، زبیرؓ اور ابولہبؓ۔

رسول اللہ صلعم کے والد محترم حضرت عبد اللہ خواجہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور لائق فائق تھے۔

حضرت عبد اللہ کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت کے والد خواجہ عبدالمطلب نے کعبے کے بتوں کے روبرو اپنے ایک بیٹے

کی قربانی کی نذر مانی تھی۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو اس میں عبد اللہ کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب تو بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر قریش

ایسے لائق شخص کو قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اور انہوں نے طے کیا کہ اس معاملہ میں ایک کاہنہ سے جو عراق کے نام سے مشہور تھی۔

مشورہ کیا جائے جو وہ کہے وہی کرنا چاہئے۔

اس کاہنہ نے مشورہ دیا کہ حضرت عبد اللہ کے نام کے ساتھ

دس اونٹ ذبح کرنے کا قرعہ ڈالا جائے۔ اور ایسا ہی اس وقت تک

لیا جائے جب تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام پر نہ نکل آئے۔ چنانچہ جب

کاہنہ کی ہدایت کے مطابق قرعہ ڈالا گیا۔ تو نو مرتبہ مسلسل حضرت عبد اللہ

کے نام پر قرعہ نکلا اور دسویں مرتبہ اونٹوں کے نام پر برآمد ہوا جس کے بعد سوانٹ فدیہ کے طور پر ذبح کئے گئے۔ اور حضرت عبداللہ قربانی سے بچ گئے۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی پیدائش سے قبل خود رسول اللہ صلعم کے گھرانے میں کیسی کیسی ~~مشکلات~~ تھیں۔ نبی پاک ^{صلعم} پر آئے۔ اس کا جائز ان لفظوں سے ہے کہ اس قربانی سے نجات پانے کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ کے ساتھ ہو گئی۔ جو خاندان قریش کے ایک سردار کی منہایت ہی ہونہار صاحبزادی تھیں۔

رسول اللہ صلعم کی پیدائش اور چھپن | رسول اللہ صلعم ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے

والد محترم حضرت عبداللہ کا اچانک انتقال ہو گیا۔ گویا آپ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو گئے۔

آپ اپنے والد کی وفات کے دو ماہ بعد ۱۲ ربیع الاول ۵ سالہ میلادی ۶۰۰ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے پیدا ہوتے ہی ایک نور ظاہر ہوا جس سے سارا ملک روشن ہو گیا۔

ولادت کے فوراً بعد آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اللہ اکبر ولا الہ الا اللہ انما رسول اللہ آپ کی پیدائش کی وقت زمین لرز گئی۔ دریائے وجرہ اس قدر اٹھا کہ اس کا پانی کناروں سے ابلنے لگا۔

زلزلہ سے کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش پرستوں کا آتش کدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا خود بخود بجھ گیا۔ آپ قدرتی طور پر مختون پیدا ہوئے تھے اور آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تن و مند اور تندرست پیدا ہوئے۔ آپ کے جسم میں بڑھنے کی قوت آپ کی عمر کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی جب آپ تین مہینہ کے ہوئے تو کھڑے ہونے لگے۔ جب سات مہینے کے ہوئے تو چلنے لگے۔ اور ایک سال کی عمر میں آپ تیرکمان لئے بچوں کے ساتھ دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ اور ایسی باتیں کرتے تھے کہ سننے والوں کو آپ کی عقلمندی پر تعجب ہوتا تھا۔

آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے شرفائے عرب کے دستور کے مطابق آپ کی پیدائش کے چند روز بعد ہی آپ کو قبیلہ نبی سعد کی ایک خاتون حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ تاکہ وہ آپ کو بطور روایہ دودھ پلا سکیں۔ اور پرورش کریں آپ چار سال تک حلیمہ سعدیہ کی زیر نگرانی پرورش پاتے رہے۔ آپ جب تک حلیمہ سعدیہ کے قبیلہ میں رہے۔ اس علاقے کے کنویں اور چشمے کبھی خشک نہ ہوئے۔ کھیت برابر سبز اور شاداب رہے۔ اور آپ کی برکت کی وجہ سے حلیمہ سعدیہ کے مویشیوں اور زراعت میں خوب ترقی ہوئی جب آپ کی عمر چار برس کی ہو گئی تو حلیمہ سعدیہ آپ کو مکہ لے آئیں اور حضرت آمنہ کے سپرد کر دیا۔ دو برس کے بعد جب کہ آپ کی عمر چھ سال کی تھی تو آپ کی والدہ آپ کو ہمراہ لے کر اپنے عزیز واقارب سے ملنے مدینہ

تشریف لے گئیں۔ ایک مہینے رہ کر جب وہاں سے واپس ہوئیں تو اتنے
راہ میں ابوا کے مقام پر ۳۷ میلادی (۶۵۷ء) میں حضرت آمنہ کا
انتقال ہو گیا۔

یعنی آپ ماں کے سایے سے بھی محروم ہو گئے۔ والدہ محترمہ کے
انتقال کے بعد آپ کی پرورش آپ کے دادا عبدالمطلب کی زیر نگرانی ہونے لگی
لیکن دو سال کے بعد جبکہ آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ آپ کے دادا
عبدالمطلب بھی ۹۷ میلادی (۶۷۷ء) میں وفات پا گئے۔ آپ کے
دادا نے مرنے سے پہلے ہی آپ کو اپنے بڑے بیٹے ابوطالب کے سپرد
کر دیا تھا۔ آپ کے چچا ابوطالب بڑی محنت اور شفقت کے ساتھ آپ
کی پرورش فرماتے رہے! ابوطالب باپ کے مرنے کے بعد مکہ کے حاکم
اور خانہ کعبہ کے متولی قرار دیدئے گئے تھے۔ آپ کو خواجہ عبدالمطلب
کی طرح سارے ملک عرب میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔
ابوطالب رسول اللہ صلعم کو اپنے بچوں سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے
رسول اللہ صلعم کی عمر بارہ سال کی تھی۔ کہ ابوطالب جب تجارتی قافلے
کر جانے لگے تو آپ کو بھی اپنے ہمراہ ۳۳ میلادی (۶۵۲ء) میں ملک
شام لے گئے جب قافلہ بصرہ پہنچا تو بحیرانامی عیسائی راہب نے آپ کو
دیکھ کر ابوطالب سے کہا کہ ”آپ کا یہ بھتیجہ بنی آخر الزماں ہے اس میں
وہ تمام علامتیں موجود ہیں جو تورات اور انجیل میں لکھی ہوئی ہیں۔
یہودی انکے دشمن ہیں انکو ان سے بچاؤ۔ مناسب یہ ہے کہ تم انکو آگے نہ

یجاؤ یہ ابو طالب نے پیرا راہب کی یہ باتیں سن کر اپنا مال جلدی جلدی وہیں فروخت کر دیا جس میں کہ انکو بے اندازہ نفع ہوا اور آپ کو لے کر فوراً مکہ واپس چلے آئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ جس جنگ میں شریک ہوئے وہ عکاظ کی جنگ تھی جو حرب فجار کے نام سے مشہور ہے یہ جنگ قبیلہ قریش و کنانہ اور ہوازن کے درمیان عکاظ کے مقام پر ۱۶ میلادی (۵۸۵ء) میں ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ اس جنگ میں آپ نے صرف اس قدر حصہ لیا کہ آپ اپنے چچا زبیر کو تیراٹھاٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ اس جنگ میں رسول اللہ کے قبیلہ والوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے جب آپ جوان ہوئے

تو آپ کو بھی تجارت میں حصہ لینا پڑا۔ آپ تجارتی قافلوں کے ہمراہ قریب کے علاقوں میں مال تجارت لے کر آنے جانے لگے۔ کاروباری معاملات میں آپ کی دیانت اور خوش معاملگی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ آپ نہ صرف مکہ میں بلکہ سارے عرب میں صادق القول اور آئین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ اسی زمانے میں ایک مالدار بیوہ خاتون رہتی تھی جس کا نام خدیجہ تھا۔ یہ خاتون شام عراق اور یمن کے مالک سے ایک بڑے پیمانے پر تجارت کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت اور دیانت کی شہرت سنی تو اپنا سارا کاروبار آپ کے سپرد کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ کارکردگی اور دیانت کی وجہ سے خدیجہ کو اس قدر فائدہ ہوا کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی دیانت، شرافت، اور خوش معاملگی نے تو پہلے ہی خدیجہ کو رسول اللہ صلعم کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ لیکن جب خدیجہ کے غلاموں اور کارکنوں نے ان سے وہ معجزات بیان کئے جو انہوں نے بارہا رسول اللہ صلعم کے ساتھ دورانِ سفر میں دیکھے تھے۔ تو خدیجہ نے آپ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ خدیجہ اس سے قبل دو نکاح کر چکی تھیں اور ان کے دونوں شوہر فوت ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کیا۔ جب آپ کے چچا نے نکاح کی اجازت دیدی تو ۲۶ میلادی (۶۱۰ء) میں حضرت خدیجہ کا آپ کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ نکاح کے وقت رسول اللہ صلعم کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کے چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہوئے جن کے نام طیب، طاہر، اور قاسم تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو ابوالقاسم کہتے ہیں۔ یہ تینوں بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔

رسول اللہ صلعم
عرب کے تمام قبائل میں آپ کی غیر معمولی عزت
اپنے اعلیٰ کردار

کی وجہ سے نہ صرف قبیلہ قریش میں بلکہ عرب کے تمام دوسرے قبائل میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ سب آپ سے محبت کرتے تھے۔ آپ اگرچہ امی تھے مگر عقل و رائے میں یگانہ روزگار خیال کئے جاتے تھے۔ نہایت خوش مزاج تھے۔ آپ کا اخلاق نہایت ہی پاکیزہ تھا۔ لغویات کبھی زبان سے نہ نکالتے تھے۔ حقوق کے فیصلہ کے وقت امیر، عزیز، غریب

اور غیر میں کبھی کوئی امتیاز نہ فرماتے تھے۔ مساکین اور مظلوموں کے بہت بڑے ہمدرد تھے۔ آپ کا سب سے پہلا قومی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ۲۸ میلادی (۶۹۷ء) میں امداد مظلومین کے لئے ایک ایسی انجمن کو خوب ترقی دی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ملک سے بدامنی دور کی جائے۔ مظلوموں کی مدد اور ظالموں کو سزا دی جائے۔ غریبوں اور مسافروں کی امداد اور حفاظت کی جائے۔

خانہ کعبہ کی مرمت کے وقت عرب کے مختلف قبائل کے سرداروں میں سے ہر سردار یہ چاہتا تھا کہ سنگِ اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھنے کی عزت صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس پر قبائل میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ جب یہ جھگڑا تصفیہ کے لئے رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے ایک چادر بچھائی۔ اس پر سنگِ اسود اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار سے کہا کہ ”چادر کے کنارے کو پکڑ لو۔ چنانچہ تمام سرداروں نے ملکر اس چادر کو اٹھا لیا۔ جس میں سنگِ اسود رکھا ہوا تھا۔ اور اس مقام پر لے آئے جہاں سنگِ اسود نصب کرنا تھا۔ آپ نے چادر سے اٹھا کر سنگِ اسود کو نصب کر دیا۔ آپ کی اس دانشمندی کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔

رسول اللہ صلعم کا یہ قاعدہ تھا کہ مال تجارت میں آپ کو جتنا بھی نفع ہوتا تھا اس کا بیشتر حصہ رشتہ داروں، غریبوں، مسکینوں، اور مسافروں کی امداد پر صرف کر دیتے تھے۔ آپ کے چچا ابو طالب چونکہ عیالدار آدمی تھے۔ اور تنگی سے انکی گذراوقات ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے انکا

بارہلکا کرنے کے لئے ان کے لڑکے حضرت علیؑ کو پرورش کے لئے لے لیا تھا۔ رسول اللہ صلعم حضرت علیؑ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اسی زمانے میں رسول اللہ صلعم نے زید غلام کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ زید ایک معزز عیسائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو آزاد ہونے کے بعد بھی رسول اللہ صلعم سے جدا نہ ہوئے۔

عبادت سے دلچسپی اور نبوت رسول اللہ صلعم کی عمر جب ۳۵ سال کی ہو گئی تو آپ زیادہ تر گوشہ نشین

رہنے لگے۔ اور آپ کی طبیعت میں عبادت الہی کا شوق دن بدن بڑھنے لگا۔ بت پرستی سے آپ کو فطری طور پر نفرت تھی۔ اور توحید باری کا جذبہ آپ کے دل میں شروع ہی سے موجود تھا۔ اس لئے آپ کا بیشتر وقت رموزِ خداوندی کے سمجھنے میں صرف ہونے لگا۔ چالیس سال کی عمر میں آپ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر غار حرا میں چلے جاتے۔ اور وہاں کئی کئی دن عبادت الہی میں مصروف رہتے۔ یہاں تک کہ آپ کو ایک خاص روشنی اور چمک دکھائی دینے لگی۔ اور آپ کو سچے خواب نظر آنے لگے۔ اسی زمانے میں ایک روز جب کہ آپ غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے تو آپ کے سامنے حضرت جبرائیل انسانی شکل میں نمودار ہوئے اور آپ کو ریشمی کپڑا دکھایا۔ جس پر رسم اللہ اور قرآن کی آیت اقرآ لکھی ہوئی تھی۔ اور آپ سے کہا کہ پڑھتے۔ آپ نے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ حضرت جبرائیل نے آپ کو پہلو میں لے لیا اور بغلیگر ہوئے جس سے

آپ کے قلب میں علم کا نور پیدا ہو گیا۔ اور آپ قدرت الہی سے پڑھنے لکے جب آپ پڑھ چکے تو حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرنا سکھایا۔ اور نماز پڑھی بتائی۔ پھر حضرت جبرائیل نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نبوت کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔ اور میں اللہ کا فرشتہ جبرائیل ہوں۔ یہ واقعہ ۱۲ سالہ میلادی (۶۱۰ء) میں پیش آیا تھا۔ جب کہ آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد وقتاً فوقتاً وحی کی صورت میں آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا جس میں انسان کی ہدایت کے لئے مکمل دستور العمل موجود ہے۔

نزدل وحی کے بعد آپ نے اسلام کی دعوت سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کی۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ سب سے پہلے ۱۲ سالہ میلادی (۶۱۰ء) میں آپ پر ایمان لائیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ اور آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارث نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے جو آپ کے دوست تھے۔ آپ پر ایمان لے آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب آپ کے گھر کے آدمی تھے جو آپ کی اندرونی حالت سے بخوبی واقف تھے ان واقف کاروں کا سب سے پہلے آپ پر ایمان لانا آپ کی صداقت اور استیلازی کا ناقابل انکار ثبوت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمان اور مکہ کے دوسرے معتد حضرات نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک اسلام کی دعوت خفیہ طریقہ پر کرتے رہے۔ ان تین سال میں مسلمانوں کی تعداد صرف انتالیس تک پہنچ سکی۔

نبوت پرستی کے خلاف کھلم کھلا جہاد نبوت کے چوتھے سال

سلسلہ میلادی (سلسلہ ۱) میں جب رسول اللہ صلعم کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ وہ کھلم کھلا دین اسلام کی دعوت دیں۔ تو آپ نے فوراً خدا پرستی کے حق میں اور بت پرستی کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ جسکی وجہ سے مکہ والوں میں عموماً اور رسول اللہ کے خاندان والوں میں خصوصاً آپ کے خلاف سخت ناگواری اور غصہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ مکہ والے اس چیز کو گوارا کرنے کے لئے کسی طرح بھی تیار نہ تھے کہ ایک نوجوان کھلم کھلا اہل مکہ اور اہل عرب کے ان بتوں کو بڑا بچے جن کی پرستش وہ صدیوں سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ شروع میں رسول اللہ صلعم کو نرمی سے روکنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد سختی اختیار کی گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ چند ہی روز کے بعد رسول اللہ اور عام مسلمانوں پر بے اندازہ زیادتیاں کی جانے لگیں۔

قریش کے کی سختیاں رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئیں کہ رسول اللہ صلعم نے ۶۲۵ میلادی (سلسلہ ۱) میں بعض مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ وہ حبش کو ہجرت کر جائیں۔ اب مکہ میں رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھی بہت محدود تعداد میں رہ گئے تھے جن کو قریش مکہ طرح طرح سے ستاتے تھے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ خود آپ کے چچا ابولہب اور آپ کے خاندان والے آپ کے خون کے پیاسے بن گئے۔ اور اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو آپ کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن اس سب کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں برابر ترقی ہو رہی یہاں تک کہ حضرت عمر جو مکہ میں سب سے زیادہ بااثر تھے۔

وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ آپ کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچا مگر اسی زمانہ میں ایک دشواری یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلعم کے سر پرست اور چچا ابوطالب جن سے کہ مخالفین بچے رہتے تھے ۵۱ھ میلادی (۶۲۱ء) میں حلت فرما گئے۔ اور چند ہی روز بعد آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ بنت جحش سے کہ رسول اللہ صلعم کو بے حد محبت تھی انتقال فرمائیں۔ ان پے در پے حادثات سے رسول اللہ صلعم کو بے حد صدمہ پہنچا۔

آپ کے چچا ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد مکہ میں آپ کے خلاف اس قدر مخالفت بڑھی کہ آپ کا مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ آپ اہل مکہ سے تنگ آکر ۵۲ھ میلادی (۶۲۱ء) میں طائف روانہ ہو گئے لیکن وہاں اور بھی زیادہ مخالفت پائی گئی۔ لوگوں نے پتھر مار کر آپ کو شہر سے باہر نکال دیا۔ آخر مجبوراً آپ دوبارہ مکہ واپس آ گئے جہاں آپ کی قوم نے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ ستانا شروع کر دیا۔ لیکن آپ تمام تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔ اسی بزرگ زمانہ میں آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی تھی۔ جسے معراج کہتے ہیں۔ اور اسی زمانے میں آپ نے حضرت ابوبکر کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد ثانی کیا تھا۔

رسول اللہ صلعم کی مدینہ کو ہجرت
 مدینہ میں رفتہ رفتہ اسلام پھیل رہا تھا۔ اور مدینہ میں مسلمانوں

کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو مکہ آنے کے بعد آپ کا وعظ سن کر ایمان لائے تھے۔ جب مدینہ والوں کو معلوم ہوا کہ مکہ

میں ان کے رسول کے ساتھ یہ زیادتیاں ہو رہی ہیں تو مسلمانانِ مدینہ کا ایک وفد مکہ آیا۔ اور رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ چلنے کی دعوت دی جس کو رسول اللہ صلعم نے قبول فرمایا۔ چنانچہ مکہ میں جتنے بھی مسلمان تھے وہ تھوڑے تھوڑے کر کے سب مدینہ چلے گئے۔ مکہ میں صرف رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے جب قریش مکہ کو مسلمانوں کی ہجرت کا علم ہوا۔ تو وہ اور بھی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ رسول اللہ جب گھر سے نکلیں تو انکو قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلعم کو بھی اس ناپاک منصوبے کا علم ہو گیا۔ چنانچہ آپ خاموشی کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے گھر سے نکل کر چلے گئے اور حضرت ابوبکر کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ صرف حضرت علیؓ رہ گئے تاکہ وہ ان امانتوں کو مکہ والوں کے سپرد کر دیں جو رسول اللہ صلعم کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ مخالفین کو جب پتہ چلا کہ رسول اللہ مکہ سے چلے گئے ہیں تو انہوں نے ہر طرف ساندنی سوار اور گھوڑے دوڑا دیے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص آپ کا سر مبارک کاٹ کر لاتے گا۔ اسے سواونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ تین دن تک غارِ ثور میں پناہ لینے کے بعد مخالفین کی انتہائی رکاوٹوں کے باوجود آٹھ ربیع الاول ۱۲ھ ہجری مطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء کو مدینہ پہنچ گئے۔ مدینہ والوں نے رسول اللہ صلعم کا نہایت ہی پُر جوش خیر مقدم آپ اس وقت تک شہر مدینہ کے باہر

ہی مقیم رہے جب تک حضرت علیؓ آپ سے نہ آن ملے۔ حضرت علی کے آنے کے بعد جب آپ شہر مدینہ میں داخل ہوئے تو ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ رسول اللہ کی میزبانی کی سعادت اسے حاصل ہو۔ لیکن آپ نے فرما دیا کہ جہاں میری اونٹنی حکم الہی سے بیٹھ جائے گی میں وہیں قیام کروں گا۔ چنانچہ اونٹنی حضرت ایوب انصاری کے مکان کے پاس بیٹھ گئی۔ اور آپ نے ان ہی کے ہاں اس وقت تک قیام کیا جب تک کہ آپ کے لئے مسجد اور رہنے کا مکان نہ بن گیا۔ مسجد اور مکان کے لئے زمین آپ نے خود خریدی تھی۔ مدینہ والوں کو رسول اللہ صلعم اور ان کے ساتھیوں سے اس قدر محبت تھی کہ انہوں نے اپنا سب کچھ مہاجرین مکہ کے حوالہ کر دیا۔ مدینہ والوں کے اس برادرانہ سلوک سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلعم نے انکو انصار کا خطاب عطا کیا تھا۔

ہجرت کے بعد کے واقعات

رسول اللہ نے جس سال مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اسی

سال سے مسلمانوں کا سال پیری شروع ہوتا ہے۔ ہجرت کے پہلے سال میں جہاں رسول اللہ نے تبلیغ اسلام کا کام بڑے یمانے پر شروع کیا۔ وہاں آپ نے مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے مضبوط بنانے میں بھی کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ چنانچہ اور گروہوں کے تمام قبائل سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے جتنی معاہدے کئے اور انکو یقین دلایا کہ مسلمان تمہارے مذہب و عقائد میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے۔ ان معاہدوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کافی مضبوط ہو گئی۔

۱۱ھ و ۱۲ھ میں آپ کو تبلیغ اور اشاعت اسلام میں بھی بڑی کامیابی ہوئی چنانچہ ہجرت کے پہلے سال میں مدینہ کے بہت سے مقتدر حضرات نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے پیشوائے اعظم نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس سے پہلے مسلمان متفرق طریقہ پر نماز پڑھتے تھے۔ اسی سال نماز باجماعت اور نماز کے لئے اذان کی ابتدا ہوئی۔

ہجرت کے پہلے سال تک مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن قرآن کی آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ۱۵ رجب ۱۲ھ و ۱۳ھ کو حکم دیا کہ مسلمان بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں۔ اسی سال ۱۲ھ و ۱۳ھ میں قرآن پاک کی ایک آیت کے نازل ہونے پر جس میں مسلمانوں کو روزے رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اور مسلمانوں نے پہلی مرتبہ عید الفطر کی نماز عید گاہ میں باجماعت ادا کی۔ اس سے پہلے مسلمان رمضان کے روزے رکھتے تھے اور نہ عید کا ہوا مناتے تھے۔

اسی سال رسول اللہ نے اپنی چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا نکاح نہایت سادہ طریقہ پر حضرت علیؓ کے ساتھ کر دیا حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ جن سے کہ حادوثہ کربلا کا تعلق ہے۔ حضرت فاطمہ کے بطن سے ہجرت کے بعد مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔

رسول اللہ کی جنگی سرگرمیاں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ مدینہ میں

مسلمانوں کا بڑھتا جا رہا ہے تو انہوں نے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے یہ طے کیا کہ مدینہ کے مٹھی بھر مسلمانوں کو فوجی طاقت کے ذریعہ کچل دیا جائے۔ چنانچہ ۳ھ (۶۲۳ء) میں کفار مکہ نے مدینہ کے ایک بااثر امیر عبد اللہ سے سازش کر کے مدینہ پر چڑھائی کر دی ابو جہل قریش مکہ کا سردار تھا۔ رسول اللہ بھی مہاجرین اور انصار کی چھوٹی سی جماعت کو لے کر مقابلہ پر آگئے۔ اور بدر کے میدان میں جنگ چھڑ گئی۔ کفار مکہ کے پاس اگرچہ بے اندازہ سامان جنگ تھا۔ اور انکی تعداد بھی مسلمانوں سے تین گنی تھی۔ لیکن پھر بھی ان کو بڑی طرح شکست ہوئی۔ ابو جہل اور ان کے تمام بڑے بڑے سردار یا تو مارے گئے یا قیدی بن لئے گئے۔ اسلام کے تحفظ کے لئے یہ پہلی مدافعتی جنگ تھی جو رسول اللہ صلعم کی سرکردگی میں بدر کے میدان میں کفار سے لڑی گئی۔

کفار مکہ جو مسلمانان مدینہ اور رسول اللہ صلعم کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اگلے سال ۳ھ (۶۲۴ء) میں مسلمانان مدینہ پر دوبارہ بہت بڑی جمیعت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں نے مدینہ کے باہر احد کی پہاڑی کے قریب صرف سات سو آدمیوں کی مدد سے دشمن کے اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کیا۔

اس زمانے میں مسلمانوں کی فوجی طاقت اتنی کمزور تھی۔ کہ ان کے پاس کل دو گھوڑے تھے۔ لیکن اس کے باوجود دین کی حفاظت کے لئے مسلمان بڑی بہادری سے لڑے۔ اور کفار مکہ سے ایک سال کے لئے صلح

ہو گئی۔ اس جنگ میں رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور خود رسول اللہ صلعم زخمی ہوئے۔ یہ دوسری حفاظتی جنگ تھی جو اسلام کے تحفظ کے لئے لڑی گئی۔ اس جنگ میں مسلمان مردوں کے علاوہ مسلمان عورتوں نے بھی حصہ لیا تھا جن میں سے حضرت عائشہ ام سلیم، ام عمارہ اور ام سلیط کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک طرف تو کفار مکہ آپ کے دشمن بنے ہوتے تھے۔ دوسری طرف مدینہ کے یہودی جن کو مسلمانوں نے ہر قسم کی رعایتیں دے رکھی تھیں، سازشیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان یہودیوں نے یہ سازش کی کہ رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب کو دعوت پر بلا کر شہید کر دیا جائے۔ لیکن یہ راز کھل گیا۔ اور مسلمانوں نے ۶۲۵ھ (۶۲۵ء) میں یہودیوں پر حملہ کر کے مدینہ سے نکال دیا۔ یہودی بھاگ کر خیبر اور شام کی جانب چلے گئے۔ اسی سال ملحقہ علاقہ کے بادشاہ حارث نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن رسول اللہ صلعم نے اسے جا کر راستہ ہی میں گھیر لیا۔ حارث کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حارث اور اس کی تمام رعایا مسلمان ہو گئی۔ اور حارث کی بیٹی جویریہ نے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم سے نکاح کر لیا۔

جنگ احد کے ڈیڑھ سال بعد کفار مکہ نے ۶۲۶ھ (۶۲۶ء) میں مسلمانوں کو فنا کر دینے کے لئے جو عظیم لشکر روانہ کیا تھا وہ اسلامی تاریخ

میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس حملہ میں کفار مکہ کے ساتھ یہودی بھی مل گئے تھے۔ چنانچہ ان دونوں کی ۲۵ ہزار فوج مدینہ پر لوٹ پڑی۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف ہزار ڈیڑھ ہزار تھی۔ لیکن مسلمانوں نے سختی سے کھو کر اور محصور ہو کر اس بہادری کے ساتھ اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کیا کہ یہودی اور کفار مکہ دونوں تنگ آ گئے۔ یہاں تک کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی اور اس کے علاوہ ایک ایسا خوفناک طوفان آیا جس سے مخالفین کے خیمے اور سامان جنگ برباد ہو گیا اور مخالفین بھاگ کھڑے ہوئے۔ چونکہ مسلمانوں نے یہ لڑائی خندق میں کھو کر لڑی تھی۔ اس لئے یہ جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال قرآن کی ایک آیت کے نازل ہونے پر جب مسلمانوں پر حج کعبہ فرض ہوا تو سنہ ۶۲۷ء میں چودہ سو انصار اور مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں حج کی غرض سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ کفار مکہ کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آرہے ہیں تو وہ بھی ایک بڑی فوج لیکر مقابلہ پر آ گئے۔ کفار کو ہر چند سمجھایا گیا کہ مسلمان لڑنا نہیں چاہتے بلکہ وہ حج کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر کفار مکہ نے صلح کا پیغام بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو پہلے ہی لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ نے صلح کر لی۔ لیکن ایسی شرطوں کے ساتھ جن سے کہ مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ یہ صلح پایہ مسلمانوں اور کفار مکہ میں دس سال تک صلح رہے گی۔ مسلمان اس وقت تو مدینہ واپس چلے جائیں۔ اگلے سال حج کے لئے آئیں مگر تلوار کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ لائیں۔ اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں۔ اس صلح نامہ کے بعد جو صلح حدیبیہ

کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں کو مجبوراً حج کئے بغیر مدینہ واپس جانا پڑا۔ اسی سال رسول اللہ صلعم نے بادشاہوں کو دعوت اسلام دی۔ اور تبلیغ اسلام پر پورا زور دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسے مقتدر حضرات حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔

ساتویں ہجرت کا اہم ترین واقعہ خیبر کی جنگ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمانوں کے مخالف یہودیوں کی ایک بڑی تعداد میں مدینہ کے شمال مشرق میں خیبر کے مقام پر جمع ہو گئی تھی۔ یہ لوگ مسلمانوں پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جب مسلمانوں کو ان کے ناپاک ارادوں کا علم ہوا تو انہوں نے ان کے حملہ سے قبل ۶۲۸ء میں یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت علیؑ تھے۔ جنہوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ جنگ کرنے کے بعد یہودیوں پر ایسی شاندار فتح حاصل کی کہ اس کے بعد یہودی پھر کبھی مسلمانوں کے مقابلہ پر سر نہ اٹھا سکے۔

اسی سال رسول اللہ صلعم نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حدیبیہ کے صلح نامے کے مطابق حج ادا کیا۔ اور حسب معاہدہ تین دن تک وہیں رہ کر واپس چلے آئے اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے۔ لیکن کفار مکہ کی شرارتیں برابر جاری رہیں کبھی وہ یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے تھے۔ اور کبھی ان قبائل کو ستاتے تھے۔ جو مسلمانوں کی پناہ میں تھے۔ چنانچہ ۶۲۹ء میں قبیلہ بنی بکر نے کفار مکہ کی امداد سے قبیلہ بنی خزیمہ پر جو مسلمانوں کی حفاقت میں تھا حملہ کر دیا۔ اور کفار مکہ لڑائی کے وقت خانہ کعبہ میں بھی جہاں خود

بیہانا حرام تھا گھس گئے اور کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ بنی حزمیہ نے کفار مکہ کی اس زیادتی کی رسول اللہ صلعم سے فریاد کی۔

رسول اللہ کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ کفار مکہ نے بنی حزمیہ پر حملہ کر کے اور مسلمانوں کے قتل

عام کے بعد چونکہ صلحنامہ حدیبیہ کو توڑ دیا تھا۔ اس لئے اب رسول اللہ صلعم کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کے خلاف مکہ پر چڑھائی کر دیں۔ چنانچہ آپ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی جانب روانہ ہو گئے کفار مکہ نے جب رسول اللہ صلعم کی آمد کی خبر سنی تو وہ سب کے سب حواس باختہ ہو گئے۔ کفار مکہ کا سردار ابوسفیان دوڑ کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی فوج جب ۱۰ شہ ۶۲۹ء میں رسول اللہ کی قیادت میں مکہ میں داخل ہوئی تو کفار مکہ مقابلہ کے بغیر ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

مسلمانوں کی فتح کے بعد کفار مکہ مسلمانوں سے بے حد خوفزدہ تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اب ان کو اس ناروا سلوک کا مزہ چکھنا پڑے گا جو وہ ساہا سال سے محمد رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔ ان کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلعم اور ان کے ساتھی جن کو کفار نے لٹے وطن مکہ سے نکالا تھا۔ اور قدم قدم پر ان کو بے آبرو کیا تھا۔ برسرِ اقتدار آنے کے بعد کفار مکہ سے ان کے ظلم و ستم کا پورا پورا انتقام لیں گے

غرض کہ مکہ کا ہر تنفس رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں سے سہا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے تو خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر خانہ خدا سے بتوں کو نکال کر پھینکا۔ اس کے بعد آپ شہر کے انتظام کی جانب متوجہ ہوئے۔ کفار مکہ سے بھاگنے شروع ہو گئے تھے۔ آپ نے حکم دیدیا کہ کسی کو نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اب مکہ والوں کو یقین ہو گیا کہ عنقریب ان کے قتل عام کا حکم جاری ہونے والا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے مکہ والوں کی یہ پریشانی دیکھی تو آپ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان سننے کے بعد کفار مکہ حیران رہ گئے۔ رسول اللہ صلعم نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ ان جایروں اور ظالموں کو بھی معاف کر دیا جن کی ساری عمر رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے میں صرف ہوتی تھی۔ عام معافی کے ساتھ یہ بھی اعلان ہو گیا کہ کسی تنفس سے کسی قسم کا کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔ اور فوج کو ہدایت کر دی گئی کہ مکہ کی سر زمین پر ایک قطرہ خون گرے۔ اور نہ مکہ کے کسی گھر کو لوٹا جائے اور اگر کوئی مسلمان ایسا کرے گا۔ تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ کفار مکہ کے خلاف مسلمانوں میں انتہائی انتقامی جوش کے وجود نہ تو مکہ والوں کو ایک خراش آئی۔ اور نہ ان کے مال میں سے فوج کا کوئی سپاہی ایک تنکا بھی اٹھا سکا۔

غرض کہ رسول اللہ اور مسلمانوں کے اس شریفانہ سلوک نے نہ صرف مکہ کے باشندوں کو بلکہ ملک عرب کے بیشتر رہنے والوں کو رسول اللہ

صلعم کی حکومت مدینہ مکہ اور عرب کے اکثر علاقوں میں قائم ہو گئی۔ یہ تھی دنیا میں رسول اللہ صلعم کی قائم کردہ پہلی اسلامی حکومت جس کی شاخیں بعد کو سارے جہاں میں پھیل گئیں۔

فتح مکہ کے بعد چند لڑائیاں | رسول اللہ اور مسلمانوں کی فوجی سرگرمیاں صرف فتح مکہ پر ہی ختم

نہیں ہو گئیں۔ بلکہ اس کے بعد بھی رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو عرب کی سر زمین پر بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ شہہ ہجری ۶۲۹ء میں مقام خبین پر بنی ہوازن اور بنی ثقیف دونوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد مخالفین اسلام کو شکست ہو گئی۔ شکست کے بعد بنی ثقیف اپنے شہر طائف کو بھاگ گئے۔ طائف وہی مقام ہے جہاں سے رسول اللہ صلعم کو لوگوں نے پتھروں سے زخمی کر کے نکال دیا تھا۔ لیکن ان سے بھی کسی قسم کا انتقام نہیں لیا گیا بنی ثقیف چند دنوں کے بعد خود بخود مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد قوم طے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں قوم طے کو شکست ہوئی۔ اسیران جنگ میں حاتم طائی کی لڑکی بھی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے حاتم طائی کی لڑکی اور اس کے تمام ساتھیوں کو گرفتار ہو گئے تھے رہا کر دیا اور ان کے ساتھ نہایت ہی فیاضی کا سلوک کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ساری کی ساری قوم مسلمان ہو گئی۔

حضرت خالد بن ولید نے چونکہ کئی لڑائیوں میں نمایاں خدمات

انجام دی تھیں اس لئے رسول اللہ صلعم نے انکو سیف اللہ کا خطاب عطا کیا۔

رسول اللہ صلعم کے سفیر دوسرے ممالک میں | فتح مکہ اور دیگر فتوحات کے بعد

رسول اللہ صلعم اور آپ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کو سرزمین عرب میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی۔ غیر ممالک کے وفود مدینہ میں آنے لگے۔ اور مدینہ سے وفود دیگر ممالک کے لئے روانہ ہونے شروع ہو گئے۔ ۹ھ میں مدینہ میں مدینہ میں اس قدر غیر ملکی حکومتوں کے وفود آئے کہ یہ سال ہی سال وفود کے نام سے اسلامی تاریخ میں مشہور ہے۔ اسی سال رسول اللہ صلعم نے دنیا کے مختلف ممالک میں اشاعت اسلام کے لئے تبلیغی وفود بھی روانہ کئے۔ غیر ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کرنے اور وفود بھیجنے کا یہ اثر ہوا کہ اسلام عرب کے باہر کے ملکوں میں بھی پھیلنا شروع ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلعم کے ہاتھ والوں کی تعداد ملک عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔

رسول اللہ صلعم کا آخری حج | اسلامی حکومت کا قیام ہو چکا تھا۔ رسول اللہ کی تبلیغی کوششیں کامیاب

ہو گئی تھیں۔ بت پرستی کی جگہ دین حق نے حاصل کر لی تھی۔ اور دین اسلام عرب کی حدود سے نکل کر دیگر ممالک تک پھیل چکا تھا۔ گو یا رسول اللہ صلعم اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب ہو چکے تھے۔ اور آپ کو ایک ساتھ دینی اور دنیاوی عظمت حاصل ہو چکی تھی۔ یعنی ایک طرف آپ کی نبوت کا سکہ

لاکھوں انسانوں کے دلوں پر بیٹھ چکا تھا۔ دوسری طرف آپ ملک عرب کے باعظمت حکمران بن گئے تھے۔ آپ کی طاقت اور عظمت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے زمانے کے بڑے بڑے بادشاہ آپ کا نام سن کر کانپ جلتے تھے۔ اور آپ کی دینی وجاہت کی یہ کیفیت تھی کہ غیر مسلم علماء اور رہنما بھی آپ کی کفش برادری کو اپنے لئے باعث فخر خیال کرتے تھے۔ غرض کہ آپ کی شہرت اور عظمت کا غلغلہ دنیا کے کونے کونے میں بلند ہو چکا تھا۔ اور آپ کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد آپ کی زندگی میں ملک عرب کے علاوہ یمن شام فلسطین۔ عراق۔ مصر۔ افریقہ۔ ہندوستان چین۔ افغانستان۔ انڈونیشیا۔ روس۔ اور دیگر ممالک میں پھیل چکی تھی۔

غرض کہ اس مقدس مشن کی کامیابی کے بعد آپ نے سال ۶۳۱ء میں آخری حج کی تیاری کی۔ اس حج میں صرف مدینہ سے سو لاکھ مسلمان آپ کے ہمراہ مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ یہ اتنا بڑا ہجوم تھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔

اس تاریخی حج کے ادا کرنے کے بعد رسول اللہ صلعم نے اپنے آخری خطبہ میں صاف الفاظ میں یہ پیش گوئی کر دی تھی کہ اب آپ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ چنانچہ آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ "شاید اگلے حج کے موقع پر میں تمہارے درمیان نہیں ہوں گا۔ میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ قرآن پاک کے احکامات کی پوری تعمیل کرنا۔ اپنے ہر فعل کے واسطے اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھنا۔ ناحق خون نہ کرنا۔ برائیوں سے بچنا۔ دوسروں کے حقوق پر

درست درازی سے بچنا۔ آپس میں مہر و محبت سے رہنا۔ عورتوں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ غلاموں سے اچھا سلوک کرنا۔

رسول اللہ کی علالت اور وفات

ماہ صفر ۱۱ سال ۶۳۲ء کے آخری دنوں میں آپ بخاریں مبتلا ہو گئے اور یہ بخار رفتہ رفتہ خطرناک صورت اختیار کرتا چلا گیا بخار نے آپ کو اس قدر کمزور کر دیا کہ آپ چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ وفات سے تین دن قبل آپ دو آدمیوں کے سہارے سے بڑی مشکل سے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ اور حضرت ابو بکرؓ کی امامت میں آپ نے نماز ادا فرمائی۔ مسجد نبوی میں یہ آپ کی آخری نماز ہے۔ نماز کے بعد آپ نے حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کوئی تکلیف دی ہو تو وہ جس طرح چاہے اس کی تلافی کر لے۔ اور اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہو تو وہ مجھ سے وصول کر لے۔ میں اس پر ناراض نہ ہوں گا۔ اس پر ایک شخص نے اپنے تین درم قرضہ کا مطالبہ کیا۔ جو اسے اسی وقت ادا کر دئے گئے۔ اس کے بعد آپ مسلمانوں کو نہایت دردناک انداز میں وعظ و نصیحت فرماتے رہے۔ آپ کے اس آخری وعظ کو سن کر حاضرین چیخ و جیغ کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے اور دو دن کے بعد یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱۱ سال ۶۳۲ء کو بروز پیر ۱۲ سال کی عمر میں آپ اس جہان فانی کو خیر باد کہہ گئے۔

آپ نے حضرت فاطمہ کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ لیکن حضرت

فاطمہ کو آپ کی رحلت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ چھ ماہ کے بعد وفات پا گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلندگی کٹر | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ مقتدر نبی ہونے کے علاوہ عرب کے بادشاہ بھی تھے

لیکن انکو غریبی بے حد پیاری تھی۔ وہ بادشاہ ہونے کے باوجود غریبانہ زندگی گزارتے تھے۔ ہفتوں آپ کے ہاں چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ صرف کھجوروں پر گزارہ ہوتا تھا۔ اکثر اوقات آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے کئی کئی وقت کے فاقے کئے ہیں۔ آپ کے جسم پر ایک سے زیادہ کپڑوں کا جوڑا نہ ہوتا تھا۔ کہ جو مال بھی آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ اسے فورا غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اور اپنے لئے ایک پیسہ نہ رکھتے تھے۔ آپ درستوں کا تو ذکر ہی کیا ہے دشمنوں کے ساتھ بھی رحم و مروت سے پیش آتے تھے انصاف کے معاملہ میں آپ غیروں اور اپنوں میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ غیر مسلموں کے ساتھ آپ کا بھائیوں جیسا سلوک تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ساتھ انتہائی مہربانی کا سلوک کرتے تھے۔ اور بیویوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ عزت اور برابری کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں تو متعدد نکاح کئے لیکن آپ کی بیویوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عقد بیوگان کے بہت بڑے حامی تھے اور مطلقہ عورتوں کے بہت بڑے ہمدرد تھے۔ اس لئے آپ نے آخری عمر میں خود بیوہ

اور مطلقہ عورتوں سے نکاح کر کے ایک ایسی عملی مثال پیش کی جو اس زمانہ میں ناپید تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ نے جتنی بھی عورتوں سے نکاح کیا وہ بیوہ اور مطلقہ تھیں۔ اور عمر سے اتری ہوئی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ہر انسان کے لئے شمع ہدایت ہے۔ آپ ایک پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ آپ دین حق کا سچا نمونہ بھی تھے۔ اور ایک نیک دنیا دار بھی۔ آپ عبادت بھی کرتے تھے اور بیوی بچوں میں بھی وقت گزارتے تھے۔

آپ بہترین جنگجو اور سپہ سالار بھی تھے اور امن و امان کے علمبردار بھی۔ آپ بنی نوع انسان کے مخدوم بھی تھے اور خلق خدا کے خادم بھی۔ عرض کہ تنہا آپ کی ذات مبارک میں اتنی صفات ہیں کہ آج تک کسی انسان میں نہیں پائی گئیں۔

وکل تاریخ اسلام سے ماخوذ

رسول اللہ کی قابل تقلید راہِ عمل

(انما موعظنا بولوی محمدًا عظیمًا صاحبًا)

ذوق رکھ سنت گرامی سے پیوستہ ہے شرف آپ کی علامی سے

✓ جو کوئی پیسرو رسول نہیں پیوستہ لاکھ طاعت کرے قبول نہیں

حضرت حبیب رب العالمین رحمۃ اللعالمین کی پاک زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت

یہ ہے کہ جس بات کی تعلیم جناب نے دنیا کو دی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے

دکھایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ کسی دوسرے نبی کے حالات میں نہیں

ملتی۔ دوسرے نبیوں اور رسولوں کے صحائف اور واقعات پر نظر ڈالنے سے

یہ عیاں ہے۔ کہ انہوں نے وقتی ضروریات کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی اخلاق

کی تعلیم دی مگر دیکھنا یہ ہے کہ جس بات کی طرف انہوں نے لوگوں کو دعوت

دی۔ اس پر خود کس حد تک عمل کیا اور اپنے وجود سے اسکو کہاں تک

عملی لباس پہنایا۔ اس خصوصیت میں جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ و

السلام ہی دنیا کے لئے ایک کامل اسوۂ حسنہ ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم کا ایک شوشہ بھی ایسا نہ ہوگا۔ کہ جس کا علمی نقشہ

آپ کی زندگی میں نظر نہ آئے۔ قرآن پاک پر بلا تکلف عمل کرنا آپ کی جبلت تھا

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے حضرت رسالت

مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاشرت و خانہ داری کے متعلق کچھ دریافت کیا تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن پاک کی ایک آیت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں یہ امر نہیں دیکھا "کیونکہ آپ کا فعل تو وہی تھا جس کا حکم قرآن میں ہے۔"

حضور انور کی مقدس زندگی میں سب سے بڑا سبق مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے یہی ہے کہ وہ غلی قوت اپنے اندر پیدا کریں اور جس بات کی زبان سے تبلیغ کریں یا جس بات کو اپنے یا خلق خدا کے لئے مفید سمجھیں اس پر خود بھی عمل کریں۔ نہ یہ کہ صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلائیں۔ اگر مسلمان اس پاک نمونہ کو سامنے رکھ کر اپنی عملی حالت کو درست کر لیں تو آج ہی ان کا بیڑا پار ہو جائے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عملاً آپ کے ہر ایک قول و فعل کی تقلید کرتے ہیں۔ اور اس مبارک نمونہ کی پیروی لازم اور ضروری سمجھتے ہیں جو مسلمان اسوۂ رسول کو بھول کر تنزل اور پستی کی زندگی میں مبتلا ہیں اور اس سے ابھرنے کی کوشش نہیں کرتے ان سے زیادہ بُرا اور زیادہ نکار کوئی

نہیں۔ قرآن پاک میں ہے: **قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا** کہہ۔ کیا ہم خبر دیں تم کو اعمال میں **الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** نقصان اٹھانے والے لوگوں کے **وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُجْتَسِمُونَ** متعلق وہ لوگ کہ ضائع ہوئی انکی سعی و **صِنْعَاهُمْ** (پارہ ۱۶ سورہ کہف) کوشش دنیا کی زندگی میں۔ اور وہ گنا کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کرتے ہیں۔

مسلمان اگر اس پاک اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی کا دستور العمل بتائیں اور
پیچھے کے مسلمان بن جائیں تو دین و دنیا کی ہر طرح کی سر بلندی و عزت
انہیں کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے :-

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَكْلُونَ
اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (پہ آں عمران ۱۵۹) اگر ایماندار ہو تو تمہیں ہی سر بلندی حاصل
ہوگی۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر جب تک مسلمانوں
کا عمل رہا۔ تمام زمانہ کی خوبیاں انہیں موجود تھیں۔ حضرت رسول خدا صلی
اللہ علیہ وسلم آج بھی اپنے مرقد اقدس میں زندہ ہیں۔ آپ کی مقدس
نگاہیں ہمہ تن چشم بنی ہوئی ہیں کہ ہم آپ کی نیک مثال سے فائدہ اٹھا کر
اپنی حالت کو کس قدر درست کرتے ہیں۔ اور جن اصول و ضوابط کی آپ نے
تعلیم دی تھی۔ ہمارا طرز عمل ان سے کہاں تک مطابق ہوتا ہے۔

مسلمانوں! جب اغیار تک اس ذات پاک کی تعظیم پر مجبور ہیں تو کیا تم
کو اس کا احترام نہ کرنا چاہئے۔ اور اسکی تعلیمات کو اپنی زندگی کا اصول نہ بنانا
چاہئے۔

یاد رکھو سچی تعظیم و احترام یہی ہے کہ جو پاکیزہ اصول آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے وحی و الہام کے ذریعہ سے ہماری فلاح و رفاہ کے لئے
مقرر فرمائے ہیں۔ اور اپنے عمل سے انکو عملی صورت میں تمہارے سامنے
پیش کیا ہے۔ ہم اپنی زندگی کو انہیں راستوں پر لائیں۔ آپ کی تعلیمات

کو پھیلاتیں۔ اور عہد کریں کہ آئندہ ہم میں ہر شخص ان مبارک اصولوں و ضوابطوں کا پابند نظر آئے گا۔

قدم بایدا از طریقت نہ دم کہ اصلے نزار و دم بے قدم
 اس کتاب کے آئندہ اوراق میں حضور صلعم کے اخلاقِ ستودہ کی عملی نظریں
 دیکر آپکی بعض اخلاقی تعلیمات کا نمونہ پیش کیا جائے گا۔ تاکہ ہمارے مسلمان بھائی
 جو آجکل زیادہ تر مسلمانانِ درگور و مسلمانانِ در کتاب کے مصداق بنے ہوئے
 ہیں۔ اپنے مقدس ہاوی کے اوصاف و فضائل کا علم حاصل کرنے کے
 علاوہ آپ کی بہت سی پاکیزہ تعلیمات سے بھی باخبر ہو سکیں۔ ان پر عمل کر کے
 سچے اور قابلِ فخر مسلمان بن جائیں۔ اور ان مشکلات سے انگوچجات حاصل
 ہو جائے جن میں وہ آج کل مبتلا ہیں۔

رحم و مروت کا مجسمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے رحم دل اور ہامروت تھے کہ کبھی کسی
 پر غصہ نہ فرماتے۔ خصوصاً اپنے ذاتی کام کے متعلق اگر کسی خادم یا رفیق سے
 آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو آپ بڑی فیاضی سے درگزر
 کرتے تھے۔ اور اگر ملامت بھی کرتے تھے تو ایسے طریقے سے کہ جس کو ملامت
 کی جاتی اس کا دل بھی نہ دکھتا تھا۔ اور اثر بھی پورا ہوتا تھا۔

① حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضور انور صلی
 اللہ علیہ وسلم کسی خادم پر ناراض ہوتے تھے تو یہ فرماتے کہ اگر مجھے روز قیامت

میں بدلہ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں اس مسواک سے خوب ہی مارتا!

خود انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ اور بچپن سے حضور کی خدمت میں رہتے تھے۔ ایک روز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے کسی کام کو فرمایا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کام سے انکار کر دیا۔ اور حضور اکرم خاموش ہو رہے لیکن پھر میں خود ہی اپنے دل میں نام نہا ہوا اور اس کام کے انجام دینے کے واسطے روانہ ہو گیا۔ مسجد سے نکل کر گلی میں چند لڑکوں کو کھیلتے دیکھا اور بچپن کے اقتناء سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ میں اس طرف متوجہ تھا کہ اچانک پشت کی جانب سے کسی نے میری گردن پکٹی میں نے مڑ کر دیکھا تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے آنکھیں چار ہوتے ہی مسکرا کر فرمایا: "انس رضی اللہ عنہ کیا تو اب کام کرنے جا رہا ہے؟" حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کے اس کہنے کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں عرق ندامت میں غرق ہو گیا۔ اور پھر عمر بھر کبھی آپ کے کسی حکم سے سرتاپی نہیں کی۔

(۲) مکہ والوں کی طرف سے مایوس ہو کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے اور مختلف قبائل کو دعوت اسلام دینے کے لئے منزل بہ منزل پا پیادہ کوہ طائف پر جو مکہ سے شمال کی جانب ۷۰ میل پر واقع ہے تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر دعوت اسلام اور توحید کی منادی شروع فرمادی طائف کے حکمراں سرور اور اس کے بھائیوں نے اپنے غلاموں بستی کے شہدوں اور بازاری لڑکوں کو ترغیب دی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دق کریں۔ تکلیف دیں اور منسی اڑائیں۔ ان دفعہ ان بد معاشوں نے

آپ پر اس قدر کچھ اور تپھر پھینکے کہ حضور نے ایک احاطہ کے اندر جا کر پناہ لی۔ ایک دفعہ جسم اظہر پر اتنے پتھر مارے کہ جسم سے خون جاری ہوا اور پائے مبارک کا جو تاخون سے جم کر پاؤں سے چمٹ گیا۔ اللہ اللہ کیا صبر و تحمل تھا۔

ایک دفعہ ایسی ضرب آئی کہ آپ بہوش ہو گئے۔ حضرت زید جو اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے حضور کو اپنی پشت پر اٹھا کر بستی سے باہر لے گئے پانی کا چشمہ رواں تھا۔ پانی کے چھینٹے منہ پر رکھے۔ تو ہوش آیا۔ اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ مگر العطرۃ اللہ جوشن کرم اور وفور رحمت کا یہ عالم تھا کہ بددعا کی بجائے زبان مبارک سے یہ فرمایا کہ ”اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ انکی اولاد ضرور کلمہ پڑھنے والی ہوگی۔“

③ جب جنگ احد میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اور چہرہ النور زخمی ہوا اصحاب پر یہ بات نہایت شاق گزری انہوں نے عرض کیا ”یا نبی اللہ آپ کفار کے حق میں بددعا کیجئے“ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میں بددعا کرنے کے لئے مبعوث نہیں ہوا ہوں بلکہ رحمت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ حق کی طرف بلا نامیرا کام ہے نہ کہ بددعا کرنا“ پھر دست مبارک اٹھا کر یوں دعا فرمائی:—
اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ یعنی اے میرے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما وہ مجھ کو پہچانتی نہیں۔ سبحان اللہ۔
روح حبیبیں پسنگ پڑا بددعا کی بیگانوں کے گلہ سے زبان آستانہ کی

مساوات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حسنہ میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ اپنے اصحاب کی رعایت خاطر ہمیشہ مد نظر رکھتے، ہر کام میں ان کے ساتھ شریک رہتے اپنی خدمت کا ہر دوسرے پر ڈالنا اپنی عادت نہ تھی۔ آپ کے اصحاب کو آرزو رہتی تھی کہ حضور کسی خدمت کا حکم دیں اور ہم سرانگھوں سے بجالائیں۔ لیکن آپ خود اور آدمیوں کا کام کر دیتے دوسروں سے کوئی خدمت نہ لیتے۔

① ایک بار سفر میں منزل پر ٹھہرنے، کھانا پکانے کا انتظام ہونے لگا، اصحاب کرام میں سے ہر شخص نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لے لیا، کسی نے جانوروں کو ذبح کرنے کا کسی نے گوشت بنانے کا اور کسی نے پکانے کا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لکڑیاں جن کر لاؤں گا، اصحاب نے عرض کیا قربانے شویم ہماری موجودگی میں حضور کو کسی کام کے کرنے کی کیا حاجت ہے، حضور نے فرمایا رفیق وہ ہے جو رفیقوں کا شریک ہو، یہ نہیں ہو سکتا کہ تم سب کام کرو اور میں بیٹھا دیکھوں۔ مجھے بھی حق رفاقت ادا کرنے دو، چنانچہ آپ لکڑیاں جن لائے اور اس طرح اپنے رفقاء کے دل میں اپنی سچی الفت کا نقش بٹھا دیا۔

② غزوہ خندق میں جب کفار کا زبردست لشکر مدینہ طیبہ پر چڑھ آیا تھا اور مسلمان اس وقت ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے، حضرت

مسلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کی راستے سے حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کے گرد و خندق کھودنے کا انتظام کیا۔ تمام مسلمانوں کے ساتھ حضرت رسالت مآب خود بہ نفس نفیس اس کام میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر مسلمانوں کے پاس آذوقہ کی کمی تھی اصحاب کرام اور خود حضور صلعم کو کئی کئی وقت بغیر غذا کے رہنا پڑا۔ مگر کام سے ہاتھ نہیں روکتے تھے۔ قوم کے علماء و مشائخ اور رہنما اس پاک نمونہ سے سبق لیں خود تو صرف زبانی حج خرچ سے کام لینا اور خدا کی مخلوق کے ذمہ اپنا بوجھ ڈالنا رسول اللہ صلعم کے اسوہ حسنہ کے بالکل خلاف ہے۔

فروتنی و انکسار

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر متواضع تھے کہ کبھی کسی موقع پر بھی بڑائی کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو ذرا سی عزت حاصل ہو جاتی ہے وہ ہرجہ صدر نشینی یا امتیاز کے ساتھ بیٹھنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ لیکن جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام حج اصحاب میں ہمیشہ اس طرح نشست رکھتے کہ باہر سے آنے والا ناواقف شخص سرسری نظر سے آپ کو پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ آپ دوسرے ہمنشینوں سے زانو بڑھا کر یا کسی صدر مقام پر نہیں بیٹھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو آپ کے پاس لائے۔ تو وہ شخص آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ تو ڈرتا کیوں ہے۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں قریش

کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ بتائیں کیا حاجت ہو
اس نے مطلب عرض کیا۔ حضور نے اسکی حاجت روائی کی اور کھڑے ہو کر فرمایا
”اے لوگو! میرے پاس اس مضمون کی وحی آئی ہے کہ تم لوگ تواضع کرو اور
کوئی شخص کسی پر فوقیت نہ ڈھونڈے اور نہ فخر کرے۔ کیونکہ تم سب خدا کے
بندے ہو باہم بھائی بھائی بن جاؤ۔“

جناب رسالت مآب سے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ یونہی سی
لغزش ہوئی۔ کہ آپ کسی دوسرے شخص سے باتیں کرنے کی وجہ سے ایک
ٹاہینا کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ کامل انسان کی ایک معذوری طرف سے یہ اعتنائی
اس فریادداشت کو الہ العلیین کب روارکھ سکتا تھا۔ فوراً تنبیہ ہوئی اور آپ نے
ازراہ کمال دیانت و امانت بلا تامل اس تنبیہ کے واقعہ کو سب پر ظاہر فرمادیا
بشری تقاضا اپنی کمزوری کے اظہار سے مانع نہ ہو سکا۔ آپ نے سجدہ تعظیم
سے ایک شخص کو روک دیا۔ اس کی عام طور پر ممانعت کر دی۔ کیونکہ سجدہ
تعظیم انکار پشیدی کا دشمن ہے۔

آپ نے لوگوں کو اپنی سرور قد تعظیم سے منع فرمادیا۔ اور ارشاد کیا
لَا تَقُومُوا لِي كَمَا تَقُومُوا لِأَعْمَاجِمٍ لِيَلَوْحِيهِمْ يَعْنِي جِسْرَ عَجْمِي
لوگ اپنے بادشاہوں کے سامنے سرور قد تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تم
میرے لئے مت کھڑے ہو کرو۔

ایک دفعہ بیمار ہونے پر نمازیوں کو کھڑے ہونے سے منع کر دیا۔ نماز
بیٹھ کر پڑھائی مقتدی بھی بیٹھ کر نماز ادا کرتے رہے اس خیال سے کہ مبادا

کسی کو پہنے کا موقع ملے کہ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے کھڑے ہیں۔

آپ زمین پر بڑی سادگی سے بیٹھ کر کھانا کھاتے اور فرمایا کرتے ہیں بندہ ہوں بندوں کی طرح کھاتا ہوں۔

مدینہ منورہ کی گلیوں میں جاتے ہوئے بوہ اور ضعیف عورتیں، مصیبت زدہ لوگ، لونڈی غلام اور چھوٹے لڑکے آپ کا دامن پکڑ لیتے۔ آپ وہیں کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ خود نہ بیٹھتے ان سے باتیں کرتے رہتے۔ بیچاری دکھیا عورتیں آپ سے اپنا دکھ سکھ بیان کرتیں آپ انکو تسلی اور دلاسا دیتے۔ بازار سے انکا سودا لادیتے۔ غلاموں پر نہایت مہربانی فرماتے۔ انکے بالکوں کو انکے ساتھ حسن سلوک رکھنے کی ہدایت فرماتے۔

آپ دعا فرمایا کرتے **اللَّهُمَّ اَحْيِيْ مَسْكِيْنَا وَاَمْتِنِيْ مَسْكِيْنَا وَاِحْشُرْنِيْ فِيْ رُضْوَةِ الْمَسَاكِيْنِ** بار خدایا مجھے مسکین جلا اور مسکین مارا اور مسکینوں ہی کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

سچاں اللہ کیا شانِ رحمت ہے اور کیسی مسکینوں پر عنایت ہے اس سے ایک نہایت قیمتی سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو غریبی اور مسکینی سے دل شکستہ نہ ہونا چاہئے۔ دنیا میں عاجزوں اور مسکینوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اور نظام عالم میں اس طبقہ کو بہت بڑا رتبہ حاصل ہے۔ اگر غریب اور جاچمند گروہ نہ ہو تو دنیا کی آبادی اور کاروبار کا فروغ ناممکن ہے۔

ایمان کے عہد

جناب رسالت مآب کو ایک بار شہر مکہ میں کسی شخص نے راستہ میں روک کر کہا کہ آپ یہاں ٹھہریں مجھے آپ سے کام ہے۔ آپ نے وعدہ فرمایا وہ شخص چلا گیا۔ اور اسے یہ یاد نہیں رہا کہ وہ آپ کو اپنا منتظر بنا کر چھوڑ آیا ہے۔ آپ اسی مقام پر موجود رہے جہاں وہ ٹھہرا گیا تھا۔ یہاں تک کہ دن گزر کر رات آگئی۔ دوسرے دن اتفاق سے وہ آدمی پھر اسی راستہ سے گذرا اور آپ کو وہاں دیکھ کر اپنی حرکت پر بہت منفعیل ہوا۔ اور آپ سے معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا "کوئی مضائقہ نہیں بھول چوک انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہوتے ہیں یہ کہہ کر وہاں سے مکان تشریف لے گئے۔"

ابورافع بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھ کو قاصد بنا کر (صلح حدیبیہ کے دوران میں) حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ شریف بھیجا۔ میری نظر جب آپ کے چہرہ الوز کی طرف پڑی تو میرا دل فوراً اسلام سے متور ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) اب میں آپ کے پاس سے نجاؤں گا۔ آپ نے فرمایا (ابورافع) ہم بد عہدی نہیں کر سکتے کہ قاصد کو روک لیں۔ اب تم جاؤ۔ اگر تمہارے دل میں اسلام قائم رہے تو پھر وہاں سے چلے آنا۔ ابورافع کہتے ہیں کہ میں قریش کے پاس گیا اور وہاں سے واپس آکر میں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا۔

صلح حدیبیہ میں جو اقرار نامہ لکھا گیا تھا۔ اس میں بعض شرائط صلح ایسی تھیں جو بہت سے اصحاب کو ناگوار تھیں، بالخصوص یہ شرط کہ جو شخص کہ شے مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ میں آجائے۔ اس کو تو کفار کے طلب کرنے پر ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا آئے تو قریش اس کو واپس نہیں کریں گے۔ یہ شرط اصحاب کو بہت ناگوار ہوئی۔ مگر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال دور اندیشی سے اس کو منظور فرمایا اور اصحاب سے یہ فرمایا کہ کریم کار سازان لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے ہیں مگر ابھی تک قریش کے نیچے میں پھنسے ہوئے ہیں نجات دے گا۔ اب رہی یہ بات کہ جو کوئی ادھر سے بھاگ کر قریش سے مل جائے تو اس کے واپس نہ ملنے میں ہمارا کیا حرج ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کو جو ہمارا ساتھ چھوڑ کر مرتد ہو جائے اس کو ہم بیکر کیا کریں گے۔ عرض کہ صلح ہو گئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرارداد کے موافق حج و عمرہ کا ارادہ فرم کر دیا۔ اور وہیں قریش کی اور صحابہ کو نے کر مدینہ منورہ چلے آئے۔

جب آپ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہو گئے تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ جو آپ کے بچے عاشق و جان نثار تھے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ بھاگ آئے۔ یہ اسلام لے آنے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے پاس قید تھے۔ کفار نے حسب قرارداد آدمی انکے لینے کو بھیجے۔ آپ نے ابو بصیر کو انکے حوالے کر دیا۔ ابو بصیر نے بہت منت و زاری کی مگر آپ نے فرمایا کہ ہم وعدہ خلافی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی صورت کشائش کی کر دیگا

غرض کہ وہ دونوں قاصد ابو بصیرؓ کو لے کر چلے۔ راستہ میں جب بمقام ذی الحلیفہ میں کھانا کھانے بیٹھے تو ابو بصیرؓ نے یہاں سے ایک قاصد کی تلوار لے کر ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ جب دوسرے کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بھاگا اور بھاگ کر پھر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ابو بصیرؓ بھی اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ آپ نے ابو بصیرؓ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ تو لڑائی کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اور آپ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ تم خود اس کو وہاں چھوڑ کر آؤ۔

ابو بصیرؓ نے جب یہ سمجھ لیا کہ آپ کسی صورت سے اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کریں گے۔ اور اس کو ضرور واپس دینگے۔ تو وہ بھاگ کر سمند کے کنارے جا کر رہنے لگے۔

اللہ اکبر! کس قدر آپ کو اپنے وعدہ کا پاس تھا۔ آپ کا ارشاد ہے
لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ جَوْعِدَ كَإِيْمَانِ اس میں ایمان نہیں۔
وعدہ خلافی کرنے والے مسلمان اس پاک نمونہ سے سبق سیکھ کر آئندہ کیلئے
وعدہ خلافی کرنے سے توبہ کریں تاکہ دین و دنیا میں انکو کامیابی نصیب ہو۔

اولاد کے ساتھ محبت

اولاد ہر ایک انسان کو عزیز ہوتی ہے اولاد سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں قدرتی ہی ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والسلام بھی بحیثیت انا، ان ہونے کے اس فطری جذبہ سے خالی نہیں تھے

آپ کو بھی اپنی اولاد کے ساتھ محبت تھی اور بہت زیادہ محبت تھی۔ مگر اس
 علی محبت میں بھی آپ کی حیثیت عام اور ہائے سے الگ تھی۔ جس طرح آپ
 کی پاک زندگی کے تمام کام اپنے اندر لہتے۔ کارنگ رکھتے تھے۔ اسی طرح
 آپ کا اپنی اولاد سے محبت کرنا بھی محض خدا کے لئے تھا اور اس
 لئے کہ وہ بھی آپ کی صداقت کے لئے ایک شہادت کا کام دے۔

آپ کی اکثر اولاد بچپن ہی میں دنیا سے رحلت کر گئی تھی۔ ان کی
 رحلت کے وقت بھی آپ سے انکی محبت کا اظہار ہوا۔ چنانچہ حبیب
 کے صاحبزادے ابراہیم نے وفات پائی تو پکی چشم مبارک سے آنسو جاری
 ہو گئے۔ مگر ایسے وقت میں بھی آپ نے منصب نبوت کو مد نظر رکھا۔ حضرت
 ابراہیم کے دفن کے وقت اتفاق سے سورج کو گہن لگ گیا اور نبی زادہ کی
 عظمت کی بنا پر عوام کو قدرتاً یہ خیال ہوا کہ شاید سیارے بھی انکی رحلت
 کے غم سے متاثر ہیں تو آپکی دورانندیش نگاہ سے فوراً تار بیا۔ اور آپ کے
 بے لوث باطن نے زبان سے یہ کہلا دیا کہ

ان الشمس والقمر لا ینکفان لموت احد
 سورج اور چاند کو گہن لگنا کسی کی موت
 ولا لحياتہ انہما ایتان من آیات
 اور حیات تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ تو اللہ
 اللہ۔ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے

گو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسليم کو اپنی اولاد خصوصاً حضرت
 خاتون جنت اور حضرات حنین رضی اللہ عنہا سے ولی محبت تھی۔ مگر آپ
 کی یہ محبت عام انسانوں کی محبت کی طرح نہیں تھی۔ بلکہ یہ محبت بھی اپنے

اندر شان نبوت رکھتی تھی اور اس بات کی کافی شہادت تھی کہ آپ کا کوئی کام اس ارشادِ خداوندی سے باہر نہیں ہوتا۔

قل ان صلواتی ونسکی وحمای وحماتی کہہ دے رسول پاک اکہ میری نماز اور اللہ سب العالمین دپ سورہ انعام میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

باوجودیکہ حضرت سیدہ کے ساتھ بے حد محبت رکھتے تھے لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لائے اور حضرت سیدہ کی گردن میں ایک سونے کا گلوبند دیکھا جسے ان کے شوہر علی بن ابی طالب نے لٹے لئے خریدا تھا۔ جب آپکی نگاہ مبارک اس گلوبند پر پڑی تو آپ نے فرمایا "اے فاطمہ! کیا لوگ نہ کہیں گے کہ فاطمہ محمد کی بیٹی مغرور امیروں ساز پور پہنتی ہے" صاحبزادی نے چونکہ اسی آفتاب رسالت کے نور سے منور تھی۔ یہ سنتے ہی اٹھیں اور گلوبند کو توڑ کر فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا جب اس واقعہ کی خبر آپ کو ہوئی تو آپ بہت محظوظ ہوئے۔

دنیا میں کون آدمی ہے جو اپنی اولاد کے لئے آرام و آسائش کے سامان مہیا نہیں کرتا۔ ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کو ہر طرح کی نعمت میسر ہو۔ اور وہ آسائش و آرام سے اذات بسر کرے۔ مگر یہاں یہ حالت تھی کہ باوجودیکہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی و فاطمہؑ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس پر بھی دگر کام کاج خود کرتی تھیں

یہاں تک کہ چکی پیسنے سے آپ کے دستہلتے مبارک پر اس کا نشان پر گیا
تھا اور گھر میں جھاڑو دینے اور کھانا پکانے سے آپ کے کپڑے اکثر غبار آلود
اور سیاہ رہتے تھے۔ غرض کہ ہر قسم کی تکلیف اٹھاتی تھیں۔

حضرت علیؓ فرماتے کہ ایک دن میں نے اسے کہا کہ تم اپنے والد ماجد
کے پاس جاؤ اور اسے ایک خادمہ کی درخواست کرو تا کہ تمہاری تکلیف کسی
قدر کم ہو جائے۔ میرے اس کہنے پر وہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوئیں مگر آپ کو لوگوں سے باتیں کرتے دیکھ کر شرم
کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکیں اور واپس چلی آئیں۔ دوسرے دن آپ خود تشریف
لائے۔ اور پوچھا کہ اسے بیٹی کل تم کس غرض سے آئی تھیں۔ یہ سن کر میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک خادمہ مانگنے کے لئے گئی تھیں تاکہ انکو اس
محنت اور تکلیف سے جو پانی بھرنے چکی پیسنے اور جھاڑو دینے میں ہوتی ہے
کچھ نجات ملے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز
کیوں نہ بتاؤں جو تم دونوں کے حق میں خادمہ سے بہتر ہو۔ اور وہ یہ ہے
کہ ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۳ دفعہ اللہ اکبر
پڑھا کرو۔ اس پر حضرت سیدہ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے رسول
سے راضی ہوئی۔

براضیت عن اللہ ورسولہ

ان روایات کو بغور پڑھنے سے شان نبوت معلوم ہوتی ہے

رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اہل بیت کی عظمت اور آل رسول کی کے مکارم اخلاق کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ کی بلہیت اور ہمدردی خلائق پر روشنی پڑتی ہے کہ باوجود اس تکلیف اور محنت کے جو آپ کی صاحبزادی کو اپنے گھر کے کام کاج کرتے میں ہوتی تھیں۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان غریبوں اور مسکینوں کو چھوڑ کر اپنے اہل و عیال کے لئے آسائش کا سامان مہیا کریں۔

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم والتسليم کی عادت تھی کہ جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے ہر ایک گھر والے سے رخصت ہوتے مگر سب سے آخر میں اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کو الوداع کہتے اور انہیں کے گھر سے تشریف لے جاتے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جب آپ کسی سفر پر تشریف لے گئے تو حضرت علی بن ابی طالب نے حضرت سیدہ کے پاس کچھ مال بھیجا۔ حضرت سیدہ نے اپنے والد اور شوہر کی فیبت میں چاندی کے دو کنگن بنوائے۔ اور ایک پردہ (خرید کر) اپنے دروازے پر لٹکایا۔ جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں واپس تشریف لا کر اپنی عادت کے موافق سیدھے اپنی صاحبزادی کے گھر آئے۔ تو فاطمہ خوش خوش داپکے استقبال کے لئے آپ کی طرف دوڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی آپ کے ہاتھوں میں وہ کنگن دیکھے اور دروازے کے پردے پر نظر کی واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی وہ رونے لگیں اور سب کچھ سمجھ گئی۔ کیونکہ ان چیزوں سے پہلے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت نہ تھی۔ اس لئے فوراً پردے کو دروازے سے اتار لیا اور دونوں

کنگن ہاتھ سے اتار لئے اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر ایک کے ہاتھ میں کنگن اور دوسرے کے ہاتھ میں پردہ دیا اور فرمایا کہ ”اسے اپنے نانا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور سلام کے بعد میری طرف سے عرض کرو کہ آپ کے پیچھے ان چیزوں کے سولے ہم نے کچھ نہیں بنایا ہے اب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں جو چاہئے کیجئے“

جب صاحبزادے ان چیزوں کو لے کر آپ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی والدہ ماجدہ کا پیغام پہنچایا تو اپنے دونوں کے منہ پر بوسہ دیا اور شفقت سے اپنے زانوئے مبارک پر بٹھا کر اور خوش ہو کر حکم دیا کہ یہ دونوں چاندی کے کنگن توڑ دیتے جائیں پھر اہل صفہ کو جو مہاجرین میں سے تھے اور مسجد نبوی کے حجرے میں مسکنت و عزت کی وجہ سے پڑے رہتے تھے بلایا اور ان میں وہ چاندی کے ٹکڑے تقسیم فرما دیتے۔ پھر انہیں اصحاب صفہ میں سے ایک آدمی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، آگے بلایا اور اس دروازے کے پردے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے دیدیا۔ اور اسی طرح ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا ٹکڑا اس پردے میں سے عنایت کیا۔

اس سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا۔ خدا رحمت بھیجے میری بیٹی فاطمہ پر اور انکو چلہائے جنت عطا کرے۔ اس بخشش کے بدلے میں جوانہوں نے کی اور اس پردے کے بدلے میں جس سے مسلمانوں کی ستر پوشی ہوئی اور جنت کا زیور پہنائے ان کنگنوں کے بدلے میں جوانہوں نے عزیار میں تقسیم کئے۔

عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلعم مجھ کو ساتھ لے کر
 اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے واسطے تشریف
 لے گئے اور دروازہ پر جا کر دستک دی اور ارشاد فرمایا السلام علیکم میں
 اندر آؤں؛ حضرت سیدہ نے جواب دیا "تشریف لاتے" آپ نے فرمایا میں
 اور میرا ساتھی دونوں آئیں۔ سیدہ نے اندر سے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ
 کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ "عمران بن حصین" انہوں نے عرض کیا قسم ہے
 اس ذات پاک کی کہ جس نے آپ سچا بنی کر کے بھیجا ہے۔ میرے پاس
 ایک عبا کے سولے اور کوئی کپڑا نہیں ہے" آپ نے دست مبارک سے
 اشارہ فرمایا کہ اس کو اس طرح پیٹ لو "حضرت سیدہ نے عرض کیا کہ بدن
 تو میں نے چھپا لیا۔ سر کیسے چھپاؤں۔ آپ نے اپنی چادر انکے پاس پھینک
 اور فرمایا "اس سے اپنا سر باندھ لو" حضرت سیدہ نے ایسا ہی کیا۔ اور
 بعد ازاں اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے اندر جا کر فرمایا بیٹی آج تم
 کیسی ہو؛ سیدہ نے عرض کیا کہ میرے درد ہے اور اس درد پر ایک اور درد
 ہے۔ کہ میرے پاس کھانے کو نہیں بھوک نے نڈھال کر دیا ہے۔ آپ
 روٹھے اور آب دیدہ ہو کر فرمایا اسے نخت جگر تو مت گھبرا۔ بخدا میں نے
 تین دن سے کھانا نہیں کھایا۔ اور تیری بہ نسبت خدا تعالیٰ کے حضور میں زیاد
 مقرب ہوں۔ اگر میں خدا سے مانگتا تو مجھ کو کھلا دیتا۔ مگر میں نے آخرت کو
 دنیا پر ترجیح دی اور اسی کو پسند کیا۔ یہ کہہ کر آپ نے انکے موٹھے پر ہاتھ
 مار کر فرمایا "تجھ کو بشارت ہو کہ تو چنت کی عورتوں کی سردار ہے" —

ایک مرتبہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب ہو کر فرمایا:-

يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِّبِي مَا شِئْتِ اے فاطمہ میرے مال میں سے جو کچھ تمہیں چاہے
وَمِنْ مَالِي فَإِنِّي لَا أُعْطِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا شُكْرًا، لَئِنْ لَوْ لِيَنَّ خِدَاتِعَانِي كَمَا سَأَلْتِ
کے دن، میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔

مطلب یہ کہ عتابِ الہی کا مجھ سے کوئی چارہ نہ ہو گا۔ آخرت کا ناز و راہ تم خود تیار کرو۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؑ کو دیکھا کہ جمعہ کی شب کو محراب میں کھڑی نماز پڑھ رہی ہیں اور صبح تک رکوع اور سجدہ فرماتی ہیں۔ بعد ختم نماز کے آپ نے مومنین اور مومنات کے لئے دعا کی تو میں نے کہا کہ اے مادرِ مہربان! آپ اپنے لئے کیوں نہیں دعا مانگتیں میری والدہ نے جواب دیا کہ اول ہمسایہ کا کام کرنا چاہتے پھر اپنا سبحان اللہ والحمد للہ۔ جب آپکی صاحبزادی کو ایثار علی النفس کا درجہ یہاں تک حاصل تھا کہ اپنے کام پر ہمسایہ کو مقدم سمجھتی تھیں۔ اور اپنے اوپر انکو ترجیح دیتی تھیں تو آپکے اخلاق و ایثار کا کیا ٹھکانا ہو گا۔ مختصر یہ کہ آپکی ہر ادا قربان ہونے کے قابل ہے۔ اور آپ اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

امانت و دیانت

امانت و دیانت سے بڑھ کر انسان کے کھرا کھوٹا پرکھنے کے لئے کوئی

اور معیار نہیں۔ مومن وہی ہے اور مسلمان وہی ہے جو اس کسوٹی پر کھرانکلے
قرآن پاک میں ارشاد ہے:-

بَلَىٰ مَن أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ
وَهُوَ حَسِينٌ (رَبِّ الْبَقَرَةِ)

مسلمان وہ ہے جو خدا کی راہ میں
اپنے تمام وجود کو سونپ دے۔

مطلب یہ کہ اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے ارادوں کی پیروی
کے لئے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور اپنے وجود
کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دے۔

وقت و قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ کو اپنا معبود اور
مقصود اور محبوب ٹھہرایا جائے اور اسکے سامنے کسی اور کو کسی حال میں
بھی شریک نہ سمجھا جائے۔ دوسرا یہ کہ اسکے بندوں کی خدمت اور ہمدردی
چارہ جوئی کار برآری اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دے اور دوسروں
کے دکھ اٹھا کر ثابت کر دے کہ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔
اصافیت:- سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قوی عقل، علم، دل

جان و حواس اور تمام روحانی و جسمانی قوتیں ہیں جو خدا تعالیٰ ایک انسان
کامل کو عطا کرتا ہے اور پھر انسان کامل مطابق آیت:- **إِنَّا اللَّهُ يَا مَرْكُومٌ**
أَنْ تُوَدُّوا أَلَمَانَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔ راے مسلمانوں! اللہ تم کو حکم دیتا ہے
کہ امانت (رکھنے، والوں کی امانتیں) جب مانگیں، انکے حوالے کرو، چنانچہ
اس ساری امانت کو جناب باری میں واپس دیدیتا ہے یعنی اس کی
راہ میں وقف کر دیتا ہے۔

وقت کی اس پہلی قسم کا ظہور جس قدر اتم و اکمل اور اعلیٰ ہمارے سید
 مولیٰ سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود بابرکت میں ہے وہ کسی اور
 کے حصہ میں نہیں آیا۔ اسکی شہادت میں قرآن پاک کی وہ سند کافی ہے جس
 میں خود حضور صلعم نے فرمایا ہے۔ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ یعنی دنیا کی ابتداء
 سے اس کے آخر تک مجھ جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو ایسا اعلیٰ
 درجہ کا فانی اللہ ہو اور خدا تعالیٰ کی ساری امانتیں اس کو واپس دینے
 والا ہو۔

دوسری قسم وقت کی نسبت بھی اس قدر کافی ہے کہ آپ لوگوں کی ہر
 ایک امانت اور ہر اس خدمت کو جو آپ کے ذمہ تھی۔ اس عہدگی اور خوبی سے
 پورا کرتے تھے کہ اسکی وجہ سے آپ تمام قوم میں ہر اول عزیز تھے۔ مصیبت
 زدہ اور مظلوم آپ ہی کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔ یتیموں اور یتیم خانوں کی ڈھارس
 آپ ہی سے بندھتی تھی۔ غریب اور محتاج آپ ہی کا منہ تکتے تھے۔ بے کسوں اور
 بیماروں کا سہارہ اور ماویٰ و ملجا آپ ہی کی ذات پاک تھی۔ امیر و شریف
 رئیس اور حاکم سب ہی کو آپ پر بھروسہ تھا۔ قوم نے آپکی ان خوبیوں پر شیفتر
 ہو کر آپکو ایسا اعلیٰ اور قابل قدر خطاب عطا کیا تھا جو اس سے قبل کسی کو
 عطا نہیں کیا گیا تھا۔ یعنی "الامین" کا خطاب۔ قوم کی نگاہ جب اٹھتی تھی
 اور کسی امین کی تلاش ہوتی تھی تو ہر ایک شخص کی نظر آپ ہی پر پڑتی تھی
 جد ہر آپ نکل جاتے تھے بیساختہ لوگوں کی زبان سے جَاءَ الْاَمِينُ جَاءَ
 الْاَمِينُ مگنفرہ بلند ہوتا تھا۔ اور آپ کے امین ہونے کا اس سے بڑھ کر اور

کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہی قوم جس میں آپ نے پرورش پائی وہی قوم دشمن سمجھا
دشمن ہونیکے باوجود آپ کی خوبیوں کی معترف تھی۔ ابو جہل جیسے دشمن رسول
اور دشمن اسلام نے ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ اے محمد میں تمہیں
جھوٹا تو نہیں سمجھتا لیکن جس بات کی تم تعلیم دیتے ہو وہ میرے دل میں نہیں
کھپتی دشفا،

آپ کو بھی اپنی امانت و دیانت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ انہیں لوگوں میں
جو آپ کے حالات سے پورے پورے واقف تھے جن میں رہ کر آپ نے تربیت
پائی جن کی آنکھوں کے سامنے آپ کا نشوونما ہوا جن کے سامنے آپ کی مقدس
زندگی کا صفحہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اور وہ اس کے ہر ایک پہلو کو بنظر عمیق و
غور ہر روز مطالعہ کیا کرتے تھے۔ آپ نے بموجب الہام الہی تمام قوم، تمام
ملک، تمام خویش واقارب، تمام دوستوں اور دشمنوں، تمام اپنوں اور بے گانوں
کو چیلنج دیا

اگر میں آج تک کسی طرح خائن یا مفتری یا کذاب ثابت نہیں ہوا تو
پھر میں کس طرح آج افترا بانڈھ سکتا ہوں۔ یہی معیار نبوت تھا جس کی رو
سے کوئی مدعی پرکھا جاسکتا تھا۔ سطحی نظر سے دیکھنے والا تو شاید سمجھے کہ یہ کوئی
بڑی بات نہیں۔ مگر سعید الفطرت اور پاک باطن انسان اس کا اندازہ کر سکتا
ہے کہ یہ کس قدر زبردست دعویٰ ہے اور اس کا مدعی کیسا عظیم الشان انسان
تھا۔ جس کو اپنے اعلیٰ کیرکٹریں پورا پورا بھروسہ تھا کہ وہ ہر ایک قسم کے دلائل
وجہ سے بالکل پاک و صاف ہے۔

ہجرت کی رات کو جب کہ آپ نے مکہ معظمہ سے روانگی کی تیاری کی تو حضور نے سیدنا علیؑ کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اور انکو حکم دیا کہ لوگوں کی امانتوں کو نہایت احتیاط سے ادا کر کے چلے آنا۔ ایسی حالت میں بھی لوگوں کی امانتوں کا ادا کرنا وہ خاص ادا تھی جس پر سمجھنے والے دل و جان سے فدا ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے خالق و مالک کائنات کے شہنشاہ نے خلعت رسالت عطا کرنے سے پیشتر آپ کو آپ ہی کی قوم کے ہاتھوں ایسا تمغہ عطا کیا تھا۔ کہ اگر مخالفین ذرا بھی انصاف کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا بزرگ کہاں تک صادق ہو سکتا ہے۔

غرض امانت و دیانت ہی آپ کی کامیابی کا راز تھا۔ اسی لئے آپ کا ارشاد ہے۔

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةً لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ

امانت میں جس شخص نے کی خیانت
نہ کیا پورا عہد بے عذر و حجت
نہیں اسکے ایساں کا ہرگز ٹھکانا
کلام خدا کو نہیں اس نے مانا

شفقت و رافت

تو وہ محبوب خالق ہے کہ جس پر بارے اللہ ﷺ جہاں پہر کی تمہیں جتنی خویاں ہو گئیں سب گنتے
شفقت و رافت جب تک کسی کے سینہ میں نہ ہو وہ کسی دوسرے انسان
کی ہمدردی میں حصہ نہیں لے سکتا۔ جب تک کسی کے دل میں شفقت و رافت
کا درد پیدا نہ ہو تب تک وہ کسی کی غمخواری نہیں کر سکتا۔ کسی کے خطا تصور

سے بھی درگزر نہیں کر سکتا۔ بے شک خود انتقام لینے سے درگزر کرنا ایک عظیم الشان خلق ہے جس کا ظہور بہت ہی کم الوالعزم انسانوں سے ہوا اور اس کا ظہور کسی انسان سے اسی وقت ہو سکتا ہے۔ کہ جب اس کے سینہ میں شفقت و رافت کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

نبی کی سچائی کے لئے سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی اپنے نفسانی جذبات کو اپنے روحانی جذبات پر غالب نہ آنے دے غیظ و غضب کی حالت میں بھی انصاف و رحم سے باہر قدم نہ رکھے۔ قابو پا جانے پر بھی اپنے دشمن سے اس طرح کا سلوک کرے۔ کہ جس سے اس کی شفقت و رافت کا اظہار ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر نازک اور اہم ہے۔ اس قدر ادق اور مشکل ہے کہ جس کی نسبت اگر یہ کہا جائے تو بالکل سچ ہے کہ ایک شخص ذر و دیوار اور شجر و حجر سے اپنی صداقت کی گواہی دلا سکتا ہے مگر دشمن پر قابو پا کر اس سے درگزر نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص آگ میں کود کر زندہ سلامت نکل آئے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ غیظ و غضب کی ایک خفیف سی چنگاری بھی اس کے دامنِ حلم پر لگے تو اس کا کیا حال ہوتا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس حالت کے اظہار کے لئے پہلے ایک شخص خطرناک طریق پر ستایا جائے۔ پھر انقلابِ زمانہ اس کے سامنے مغلوب اور ہزیمت خوردہ حالت میں بغرض انتقام لے آئے۔ اس کو طاقتِ انتقام بھی حاصل ہو۔ اور انتقام جو کچھ سزائیں وہ تجویز کرے وہ سب حالات

ماضیہ کو مد نظر رکھتے ہوتے بالکل موزوں ہوں۔ لیکن پھر وہ اپنے دشمنوں کو معاف کر کے اپنی شفقت و رحمت کا ثبوت دے۔

۱۱۔ یہ تمام خصوصیات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی میں قدرت نے جمع کر دی تھیں، قریش مکہ نے جس قدر آپ کو اور آپ کے اعوان و انصار کو ستایا۔ اور دکھ دیا۔ جس قدر ایذائیں اس بے گناہ اور مظلوم جماعت کو ان بد فطرتوں نے پہنچائیں اس سے تاریخ و ان بخوبی واقف ہیں۔ مختصر یہ کہ دنیا کی تاریخ میں ایک بھی انسان ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کی راہ میں اس قدر مصائب مختلف شکلوں اور صورتوں میں پیدا ہوئے ہوں۔ ایسی کوئی جماعت نظر نہیں آتی کہ جس پر اتنے مظالم روا رکھے گئے ہوں۔ مگر خدا کی شان دیکھئے کہ اس نے اسی مظلوم جماعت کا یہاں تک ساتھ دیا کہ ایک وہ فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ خدا کے جلال نے کفار پر رعب ڈالا۔ امرائے مکہ سب کے سب ہیبت الہی سے مرعوب ہو گئے۔ اور گردنیں جھک گئیں اور اسی حالت میں حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں خود بخود حاضر ہو گئے اور اپنے کرتوتوں کو یاد کر کے پچھانے لگے۔ اور اس خیال میں غوطے کھلنے لگے کہ دیکھیں اب ہمارے حق میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور ہمارا ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کیا روز بد دکھاتا ہے۔ شاہی مجرموں کی طرح دربار نبوی میں سر جھکائے کھڑے ہیں اور زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں۔

مارڈ الواس گھڑی یا مجرموں کو بخش دو پور لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارا سامنے

ادھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف اپنی ذاتی تکلیف ہی کا بدلہ لینا ہے بلکہ اپنے ہمراہیوں کی لاپتہا اینداؤں اور نقصانوں کا انتقام بھی آپ کی زیر نظر ہے۔ اور ان بد قماش موذیوں کے لئے جو کچھ بھی آپ سزا تجویز کریں وہ عقلاً و نقلاً، شرعاً و عرفاً بجا اور درست ہے۔ چنانچہ عین امید و بیم کی حالت میں آپ نے اپنے دشمنوں سے فرمایا **مَعْشَرُ قُرَيْشٍ مَا تَرَوْنَ إِيَّيَ فَا عَلَىٰ قِيَامِكُمْ**۔ لوگو! تم کو کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا؟ یعنی تم اپنے مظالم کے بارے میں مجھ سے کیا امید رکھتے ہو۔ چونکہ وہ لوگ حضور والا کے کریمانہ اخلاق اور شفقت و رافت اور فیاضی قلب سے ناواقف نہ تھے۔ لہذا انہوں نے نہایت عاجزی سے بیک زبان عرض کیا **خَيْرًا لِّكَ كَرِيمٌ دَابَّتْ أَخُ كَرِيمٍ**۔

آپ کی ذات مقدس ہے کریم ابن کریم جو بس وہی کہتے کرتے ہیں جو اعدا سے کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اذیتوں جو ان ناقدر دانوں کے ہاتھ محض انہیں کی فلاح دارین کے لئے سہی تھیں درگزر فرما کر کمال شفقت و رافت اور عفو و رحم سے آبدیدہ ہو فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو اور میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ **لَا تَلْمِزْنَاكَ عَلَيْنَا الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ**۔ آج تم پر کوئی ملامت اور کچھ الزام نہیں۔ خدا تم کو معاف کرتا ہے اور وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔ **إِذْ هَبُوا بِنَفْسِكُمُ الْفُلْكَاءُ جَاؤُا فِي سُبْحٍ**۔ تم سب کو چھوڑ دیا۔ تم سب کو معافی دی تم پر آج کوئی گناہ نہیں۔۔۔

یہ کہہ کر آپ نے اپنے تمام لشکر کو حکم دیا کہ۔

لَا يَحِلُّ لِحَدِيكُمُ أَنْ يُحْمِلَ
السَّلَاحَ بِمَلَكَةٍ رَسُلِ شَرِيفٍ وَدِيكَرِ كَتَبٍ مَكَّةَ فِي قَتْلِ كَعْبَةَ بَنِي لُحَيْبٍ وَبَنِي
تَمِيمٍ سَبَّحَ سَبْحًا كَثِيرًا وَبَدَأَ بِمَعْرِفَةِ مَعْرِفَةٍ وَبَدَأَ بِمَعْرِفَةِ مَعْرِفَةٍ
تَمَّ سَبَّحَ سَبْحًا كَثِيرًا وَبَدَأَ بِمَعْرِفَةِ مَعْرِفَةٍ وَبَدَأَ بِمَعْرِفَةِ مَعْرِفَةٍ

(۲) منافقوں کی جماعت سے جس قدر دکھ اور تکلیفیں آپ کو اور آپ کے اصحاب

کو پہنچیں وہ کسی اور سے نہیں پہنچیں۔ اس جماعت کا سردار ایک شخص

عبد اللہ ابن ابی نامی تھا۔ یہ شخص اسلام کا بڑا دشمن تھا۔ اور اس سے

حضور اور مسلمانوں کو بڑی سخت اذیتیں پہنچی تھیں۔ اکثر موقعوں پر اس

نے مسلمانوں کو طرح طرح کی منصوبہ بازیوں سے بہکنے کی کوشش کی۔

آپ کی پاک بیوی پر تہمت تراشنے والوں کا سردار بھی یہی تھا۔

ایسا دشمن اسلام جب مرا لیا تو اس کے بیٹے نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ اسے جنازے کی نماز

پڑھ دیجئے۔ صحابہؓ آپ کے منہ کی طرف تک رہے تھے کہ اسکی شرارتوں اور

بد معاشیوں کی وجہ سے آپ ابھی صاف جواب دیدیں گے۔ کہ ہم ایسے دشمن

کی سفارش خدا کی سرکار میں کیونکر کر سکتے ہیں۔ ایسا کہنا آپ کے لئے بالکل

شایاں تھا مگر آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے فرمایا کہ میں چلتا ہوں

اور اس کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ سے رہا نہ گیا اور حضور

کو نماز پڑھنے روکا۔ اور قرآن پاک کی یہ آیت یاد دلائی کہ۔

إِسْتَغْفِرُ لَهُمْ وَلَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ (اے پیغمبر، خواہ تم انکے حق میں مغفرت

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ
كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ (پا س توبہ)

کی دعا کرو یا نہ کرو دانکے لئے یکساں ہے،
اگر تم ستر دفعہ بھی انکے لئے مغفرت کی
کی دعا کرو گے تو خدا ہرگز انکی مغفرت

نہیں کرے گا۔ یہ انکے اس فعل کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ و رسول کے ساتھ کفر کیا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "خدا نے ستر
بار کے لئے فرمایا ہے کہ منافقوں کے حق میں تمہاری دعا نہیں سنوں گا تو
میں ستر بار سے زیادہ دعا کرونگا۔ شاید قبول ہو جائے۔" یہ فرما کر عبد اللہ
کے جنازے کی نماز پڑھائی بلکہ اس کے کفن کے لئے اپنے پہننے کا ایک کرتہ
بھی عنایت فرمایا۔ نماز پڑھا چکے تھے کہ دوسری آیت نازل ہوئی جو اس
آیت کے آگے ہے۔ یعنی

وَلَا تُصَلِّيْ عَلٰٓى اَحَدٍ مِنْهُمْ
مَّا تَابَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلَيْهِ
قَبْرُوْهُ (پا س توبہ)

دلے پیغمبر، اگر ان میں سے کوئی مر جائے
تو تم ہرگز اسکے جنازہ پر نماز نہ پڑھنا
اور نہ اسکی قبر پر جا کر کھڑے ہونا
کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے

رسول کے ساتھ کفر کیا اور یہ سرکشی ہی کی حالت میں مر گئے۔

غور کرنے والے غور کر سکتے ہیں اور سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ

آپکے وجود بابرکت میں کس قدر شفقت و زراقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی
ستر سے گنتی اور حصر مراد نہیں بلکہ صرف کثرت مراد ہے اور یہ اہل عرب
کا خاص محاورہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں کبھی سو کبھی پچاس کبھی ہزار
کہہ دیا کرتے ہیں۔

جیسے ایک فارسی شاعر کہتا ہے

ہزار بار بشویم و ہن بشکد گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال ہے ادبی ست

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس محاورہ سے واقف تھے اور خوب واقف تھے۔ مگر بات صرف یہ ہے کہ آپ سر تا سرِ رافت و رحمت تھے
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

درگزر اور شفقت و رافت آپ کی جلت میں داخل تھی اور ادھر خدا تعالیٰ کے عفو اور رحم سے بڑی بڑی توقعات تھیں چنانچہ آپ کی شفقت و رافت طبیعت نے ستر کے لفظ کا ایک حید بنایا اور اپنا رحمت اللعالمین ہونا ثابت کر دکھایا منہ

یارب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ستم میان دو کریم

(۳) اور وہ جو کرتہ عبد اللہ کے کفن کے لئے دیا تھا۔ اس کا ماجرا

بھی سنئے۔ وہ درحقیقت عبد اللہ کے ایک احسان کا معاوضہ تھا کہ حضرت

کے چچا عباس جب مسلمان ہوئے تو فی الوقت انکے کپڑے بدلوانے پڑے

وہ آدمی تھے لجم و شمیم عبد اللہ کے کرتے کے سوا اور کسی مسلمان کا کرتہ انکے

بدن میں نہ آیا۔ اللہ اللہ شفقت و رافت کے ساتھ کیسی غیور طبیعت

واقع ہوئی تھی کہ ایک کرتے کے احسان کو بھی اتار رہے ہیں۔ یہ وہ باتیں

ہیں کہ جن پر مخالفین اسلام بھی انصاف کی نظر ڈالیں تو انہیں آپ کے

انسانِ کامل ماننے اور اپنی عقیدت کو آپ سے بڑھانے کے بغیر کوئی

چارہ نہیں رہتا۔ یہ واقعہ اکثر کتب احادیث و تفسیر میں بوضاحت درج ہے

(۴) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک خالہ زاد بھائی مسطح نامی تھا وہ بڑا مفلس تھا۔ یہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آ رہا تھا۔ اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوا تھا۔ چونکہ وہ بہت غریب اور ناوار تھا۔ اس لئے حضرت صدیق اکبر روپیہ پیسہ سے اس کی مدد کیا کرتے تھے۔ آپ کے حرم محرم کی نسبت واقعہ بہتان کے چرچے میں بھی شامت اعمال سے شریک ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر کو جب پتہ چلا تو وہ اس کی امداد سے دستکش ہو گئے اور آپ کا دستکش ہو جانا بالکل راستی اور انصاف پر مبنی تھا۔ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت ابو بکر صدیق کو بلا کر فرمایا کہ خداتے تعالیٰ نے مسطح کی سفارش کی ہے اور قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی کہ

وَلَا يَأْتِلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ
 أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينِ
 وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْيَتَامَىٰ
 وَ لِيُصْفِرُوا. (سورہ نور)

تم میں سے جو لوگ بزرگ اور صاحب مقصد
 ہیں قرابت والوں اور محتاجوں اور
 اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو
 (مدد خرچ) نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں
 بلکہ دچاہئے کہ ان کے قصور، بختدیں اور درگزر کریں۔

حضرت صدیق اکبر نے یہ سن کر اپنی امداد بدستور جاری کر دی۔ یہ واقعہ بھی اسلامی اخلاق و صداقت کا ایک کافی ثبوت ہونے کے علاوہ صدیق اکبر کی بلہیت کا اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے پیسے اسلام پر وقف کر رکھا تھا۔ اسلام کے مقابلہ میں آپ کو نہ اپنی جان کی پروا تھی نہ مال کی۔ نہ دنیا کی آبرو کی۔ آپ کی دوستی و محبت بھی خدا ہی کے لئے تھی اور

دشمنی و عداوت بھی خدا کے لئے تھی۔ غور کرو کون ایسا انسان ہے جو نہ صرف اپنی اور بیگانوں سے ہی بلکہ اپنے دشمنوں اور بدخواہوں سے بھی اس درجہ کی شفقت و رافت عفو و رحم سے کام لیتا ہو۔ کاش مسلمان اس اسوۂ حسنہ کو مد نظر رکھتے اور اپنی حالت کا اس سے موازنہ و مقابلہ کرتے۔

شہید م کہ مروان راہ خدا
دل دشمنان ہم نہ کروند تنگ
ترا کے میر شود این مقام
کہ بادستانت خلافت ست جنگ

(۵) حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رافت اس درجہ کی تھی کہ ہر ایک شخص یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے آپ کو زیادہ محبت ہے۔ آپ کی عادت تھی کہ صبح کی نماز کے بعد ہر ایک صحابی کا حال دریافت فرماتے اور مناسب سلوک کرتے (بخاری شریف)

(۶) آپ کی شفقت و رافت کا یہ حال تھا کہ اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کام کے لئے جہاں چاہتی تھی لے جاتی تھی اور آپ بوجہ تواضع عذر نہیں کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

(۷) ایک دن ایک عورت راستہ میں آپ کو مل گئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ اس فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ "میں حاضر ہوں جہاں چلے مجھ سے اپنا ماجرا بیان کر" اس عورت نے آپ کو وہیں ایک گلی میں بٹھا لیا اور آپ اس کے خاطر وہیں گلی میں بیٹھ رہے دیکھتے سعادۃ اور مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ عورت آپ کو گلیوں میں لے کر پھرتی رہی۔ جب تک اس کا مطلب پورا

نہ ہوا۔ اور بخاری شریف میں ہے کہ اس کا دماغ پھرا ہوا تھا۔

(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا زبردست اور وسیع خلق عظیم مرحمت فرمایا تھا۔ کہ آپ کے حد سے زیادہ دشمن جانی بھی موقع پڑنے پر آپ کے اخلاق حسنة کے بے اختیار قائل ہو جاتے تھے۔ لوزوان مردوں اور عورتوں پر جو شفقت آپ فرمایا کرتے تھے اس کی کوئی حد نہ تھی مگر خاص کر بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ جس شفقت و محبت سے حضور پیش آیا کرتے تھے اس کی نظیر تاریخ عالم میں مفقود ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب فقر و عار کے ڈر سے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس رسم بد کا ایسا قلع قمع ہو گیا کہ جو کسی دنیوی قانون سے ہرگز ممکن نہ تھا۔

(۹) عام بچوں کے ساتھ اور بالخصوص یتیم بچوں کے ساتھ آپ کو کمال محبت تھی۔ جب کوئی نئی چیز آتی حضور بچوں میں تقسیم فرما دیتے۔ اکثر دیکھا جاتا کہ آپ بچوں کو کاندھوں پر اٹھاتے پھرتے۔ حضرت سہیل بن سعد فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا میں اور یتیم کا متکفل خواہ وہ یتیم اس کے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے ہو بہشت میں یوں ہوں گے اور آپ نے دو انگلیاں ملا کر یہ اشارہ فرمایا۔

(۱۰) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ پیچھے صف بستہ استادہ تھے صاحبزادہ حسن آتے اور آپ جب سجدہ میں گئے تو آپ کی گردن مبارک پر بیٹھ گئے اور یہ تک بیٹھے رہے جب تک خود اٹھ کر نہ

چلے گئے حضور سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ صحابہؓ نے صاحبزادے سے کہا تم کیسے بیباک ہو گئے کہ ہمارے نبی کی گردن پر بیٹھ جاتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ نہ کہو یہ جو کچھ کریں ہمیں منظور ہے۔ اکثر کتب حدیث و سیر

(۱۱) ایک دفعہ ایک بڑھیا عورت آپ کے پاس آئی۔ آپ نے چادر مبارک اس کے نیچے بچھادی اور نہایت مؤدبانہ لہجے میں فرمایا: اے مادرِ مہربان آپ کا آنا مبارک ہے۔ آپ جس کام کے لئے آئی ہیں وہ بے دریغ بیان فرمائیں۔ میں اس کو پورا کروں گا۔ چنانچہ اس نے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ آپ نے اس کی خواہش پر بہت سا سامان مال نعمت میں سے اس کو عطا کیا۔ اس بڑھیلے نے اس سامان کو بعض لاکھ درہم کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ لکھا ہے کہ یہ بڑھیا عورت آپ کی دایہ تھی جس نے آپ کو بچپن میں دودھ پلایا تھا۔ (کیمیائے سعادت)

(۱۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد اپنے ضعیف محروم البصر باپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیعت کے واسطے لائے حضور نے ارشاد فرمایا: تم نے ضعیف کو کیوں تکلیف دی میں خود چلا آتا۔

(۱۳) آپ کا مبارک ارشاد ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ:

لَيْسَ مِنْكُمْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرًا
وَلَمْ يُوقِّرْ كَبِيرًا (الترمذی)

جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور

بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم (یعنی

مسلمانوں) میں سے نہیں ہے۔

مگر سچے مومن جہاں میں وہی ہیں وہی جلتی اور شریف آدمی ہیں

کریں جو کہ چھوٹوں پر رحم اور شفقت
بڑوں کی کریں عزت و قدر عظمت

(۱۴) ایک بار آپ نے حضرت امام حسنؑ کے منہ پر پیار سے بوسہ دیا۔ ایک شخص نے عرض کیا میرے دست بیٹے ہیں کسی کو اس طرح پیار نہیں کرتا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا مَنْ لَا يُرْحَمُ لَا يُرْحَمُ (بخاری ص ۱۰۰) کہ جو کسی پر رحم نہ کرے گا اس پر خدا بھی رحم نہ کرے گا۔

خدا کو اس پر نہیں کچھ ترس آتا؛ نہیں جو کہ اوروں پر ہے ترس کھانا
(۱۵) آپ کا ارشاد تھا کہ دوسروں کی باتیں مجھے نہ سنایا کرو۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ جب دنیا سے جاؤں تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو و شفا،
(۱۶) آپ عبادات ناقلہ چھپ کر ادا فرمایا کرتے تاکہ امت پر اس قدر عبادت کا کرنا شاق نہ ہو۔ جب کسی معاملہ میں دو صورتیں سامنے آئیں تو ازراہ شفقت و رافت آسان کو اختیار فرماتے۔ (بخاری)

(۱۷) ایک بار سورج گرہن ہوا۔ نماز کسوف میں حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) روتے تھے اور دعا فرماتے تھے جس سے آپکی شفقت و رافت پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ آپ کی دعا کے یہ الفاظ تھے:-

رَبِّ الْمَعْدِنِ اِنَّ لَا تَعْدِيْهُمْ
اے پروردگار تو نے وعدہ فرمایا ہے
وَاِنَا فِيْهِمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَنَحْنُ
کہ ان لوگوں کو عذاب نہ دیا جائیگا
سَتُغْفِرُكَ رَبُّكَ الْمَعَادِمِ
جب تک کہ میں ان لوگوں کے درمیان

موجود ہوں اور یہ سب استغفار بھی کر رہے ہیں۔

(۱۸) آپ کا مبارک ارشاد جو شفقت و رافت کی جان ہے اس کو پہنی

نے شعب الایمان میں اس طرح روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا الخلق
عیال اللہ فأحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ
یہ مخلوق ہے ساری کنبہ خدا کا
پیارا ہے سب سے وہی کبریا کا
ہے جس کا سلوک اپنے کنبے جیسے
جسے خلق سے ہے محبت سرا سر

عفت و عصمت اور شرم و حیا

انسانی اوصاف میں شرم و حیا بھی ایک اعلیٰ شرافت و نجابت کا جوہر
ہے۔ تزکیہ قلب اور تصفیہ روح کے لئے یہ ایک بہترین نسخہ ہے اس لئے
حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک ارشاد ہے کہ شرم و حیا ایمان
کی علامت ہے۔ اور شرم و حیا ہی عفت و عصمت کا حصن حصین ہے۔
نہیں شرم جس کو خلق اور خدا سے
بچکا وہ کیونکر گنہ اور خطا سے
حیا کی صفت جس بشر میں نہیں ہے
نہ قائم ہے ایمان اسکا نہ قائم ہے دین

(۱) اس خاص وصف شرم و حیا میں بھی مثل دیگر اوصاف حسنہ کے حضرت
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اعلیٰ مقام پر تھے کہ اگر آپ کو شرم و حیا کا معدن
کہا جائے تو بجا ہے۔ حضرت الشعیب خدیجی فرماتے ہیں کہ پردہ نشین اور کنواری
لڑکیوں سے زیادہ حضور انور میں حیا تھی۔ جب کوئی بات خلاف مزاج مبارک
سننے دینی شرم سوز، تو فوراً چہرہ مبارک سے معلوم ہو جاتا تھا (بخاری، شفا)
(۲) سلیمان بن حارث کہتے ہیں کہ ایک دن دو آدمی باہم گالی مٹوی کر رہے
تھے تو آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا۔ اور آپ گئی رگیں پھول گئیں یعنی

آپ ایسی بے شرمی کی باتوں سے سخت ناراض ہوتے تھے (بخاری شریف) (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تکلیف اٹھالیتے لیکن دوسروں سے (شرم و حیا کی وجہ سے) نہیں فرمایلتے تھے۔ ام المؤمنین صدیقہ فرماتی ہیں کہ اگر کسی شخص کی کوئی حرکت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے بلکہ عام الفاظ میں اس فعل کی منفعت فرما دیتے (شفاء ابوداؤد) (۴) جب کوئی شخص تصور کی معافی چاہتا تو حضور شرم سے گردن جھکالیتے۔

(۵) حضرت صدیقہ کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے (خلوت و جلوت میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برہنگی کو کبھی نہیں دیکھا (شفاء ترمذی) (۶) آپ میں شرم و حیا اس قدر تھی کہ ایک دفعہ جب آپ نابالغ تھے اور خانہ کعبہ کی مرمت کے لئے اینٹیں ڈھورہے تھے آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا کندھا اینٹوں کی رگڑ سے چھل گیا ہے۔ دفتہ آپ کے چچانے آپ کے تہہ بند کو کھول لکر آپ کے کندھوں پر رکھ دیا۔ اور کہا کہ بیٹا کیوں یہ کپڑا اینٹوں کے نیچے نہیں رکھ لیتے۔ مگر تہہ بند کا کھلنا تھا کہ آپ بیہوش ہو کر گر پڑے اور مارے شرم کے آپ نے اپنے منہ کو آسمان کی طرف کر لیا اور اس وقت تک بے ہوش رنجب تک کہ پھر تہہ بند اسی طرح نہ باندھ دیا گیا (بخاری شریف)

(۷) آپ کی داہہ حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ اگر کبھی آپ کا سر کھل جاتا تھا آپ رونے لگتے تھے اگر ڈھانکنے میں کچھ توقف ہو جاتا تو غیب سے پوشیدہ کیا جاتا تھا۔ حقیقت میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے پچپن ہی سے قلب

سلیم عطا فرمایا تھا جس میں عفت و عصمت حیا و امانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

(۸) آپ کی شرم و حیا کا یہ حال تھا کہ آپ نے ہاتھ پیرا اور چہرہ کے سوا جسم کا کوئی حصہ خصوصاً ستر کبھی برہنہ نہیں ہونے دیا۔ اگرچہ مرد کے لئے جسم میں ناف سے زالوں تک حصہ بدن کو چھپانا فرض ہے اور اس کے علاوہ دیگر حصص جسم کا برہنہ کرنا روا ہے۔ لیکن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پشت اور شکم تک کو نہ کھولتے تھے اور خواب و بیداری مجمع و تنہائی اور ہر موقع پر جسم کو لباس سے پوشیدہ رکھنے میں کامل احتیاط فرماتے تھے آپ ہر وقت نگاہ نیچی رکھتے تھے۔ کسی کا عیب دیکھنے یا معلوم کرنے میں کوشش نہ فرماتے اور اگر اتفاقاً کسی بری بات پر نظر جا پڑتی تو فوراً اس طرف سے نگاہ پھیر لیتے تھے اور پردہ پوشی اور اغماض پر اہل رہتے۔

(۹) حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ قسم ہے خدائے تعالیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی غیر عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ عورتوں سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے۔ اور بیعت لے کر زبانی ارشاد فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی: (بخاری شریف)

(۱۰) ایک مرتبہ کسی کو خلافتِ قاعدہ وضو کرتے دیکھا۔ اسے بتانا آپ کا فرض تھا۔ مگر بتا منائے حیا زبان سے کچھ نہ فرمایا بلکہ اس آدمی کے رو برو وضو کر کے اسے دکھایا اور فرمایا کہ یوں کرنا لازم ہے۔

(۱۱) پچیس سال کی عمر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہیں کی

تجربہ کا یہ زمانہ جو عین عقوانِ شباب کا عالم تھا کمالِ عفت و عصمت، شرم و حیا سے بسر ہوا۔ اور دیکھنے والوں کی شہادت موجود ہے کہ حضور پروردہ نشین کنوا^{ری} لڑکیوں سے بڑھ کر با شرم و حیا تھے۔ نواب اس بات کے مان لینے میں کسی عقلمند کو کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر ایک ایسے شرم و حیا والے اور عفت اور عصمت کے مالک تھے کہ جس کی نظیر تلاش کرنا محال ہے۔

(۱۲) آپ کی عفت و عصمت کا سب سے بڑا اور عمدہ ثبوت پردہ کی مشروعیت

ہے آغاز اسلام میں عورتیں بے پردہ اور بے نقاب رہتی تھیں۔ اور آپ

بچیت معلم اخلاق ہونے کے اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ عورت کی بے

پردگی اور مردوں اور عورتوں کے بے حجابانہ اور آزادانہ میل جول نہایت

خطرناک بات ہے۔ اس سے بدکاری کی وہ تحریک پیدا ہوتی ہے جو اخلاق

و عصمت کو خراب کر دیتی ہے۔ لہذا عورت کو پردہ کا حکم دیا اور منع کیا

کہ اپنا زیور اور سنگار خاص شوہر یا ان رشتہ داروں کے سوا جن سے نکاح

حرام ہے اور کسی پر ظاہر نہ کر دے۔ یہ محض اس لئے کہ بدچلنی اور آدرگی کی

پہلی تحریک نظارہ بازی سے ہوا کرتی ہے گو آنکھوں سے دیکھنا زنا اور

گناہ نہیں مگر پھر بھی یہ گناہ کا پیش خیمہ ضرور ہے اس لئے مسلمان مردوں

اور عورتوں کو نیچی نگاہ رکھنے کے علاوہ یہ بھی تاکید فرمائی کہ وہ اپنے پاکیزہ

اظہار کو نہ بدلیں اور بد نظری سے محترز رہیں تاکہ وہ گناہ سے بچے رہیں۔

نہیں جس کی آنکھوں میں شرم و حیا ہو گناہوں کے کرنے میں پھر پاک کیا ہے

(۱۳) قرآن کریم کا ایک عام اصول ہے کہ وہ مبادیات گناہ تک سے روکتا ہے۔ جو تقویٰ اللہ کی باریک سے باریک راہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمام مومنین کو شرم و حیا کے لئے نگاہیں نیچی رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے جو ان کے لئے پاک اور بہترین نتائج کی مشورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اس پاک اسوہ پر ہدایت اور عمل کی توفیق بخشنے۔ آمین۔

ازواج مطہرات کے ساتھ محبت

تمام مخلوق کی ترکیب پر نگاہ دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس ترکیب میں اعتدال ہے تو وہ چیز اپنے حال پر ہے اور اگر وہ اعتدال سے کم و بیش منحرف ہے تو قریب بہ زوال ہے۔ ہر چیز کی ترکیب کا اعتدال گویا اس کی جان ہے۔ اسی طرح فطرت کی جان اعتدال ہے۔ اگر کسی شخص کی کشش اپنے اعتدال سے ذرا منحرف ہو تو سارا عالم تہ و بالا ہو جائے۔ آفتاب و ماہتاب ٹکرانے لگیں۔ کوہ و دریا پتوہ بن بن کراڑ جائیں۔ اسی طرح سمجھو کہ مذہب کی جان مذہب ہی اعتدال ہے۔ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے ہر کام چلے دیا وی ہو یا دینی۔ سب میں اعتدال رکھنا ضروری اور لایسزا ہے۔ درہ حقیقی کامیابی محال ہے۔ اس اعتدال کا سبق اب اگر قانون فطرت سے لیا جائے۔ تو یہ قانون ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ اور امریکہ ہی کی چار جلدوں میں مجلد نہیں ہے بلکہ جس طرح یہ قانون سارے براعظم میں ہے۔ اسی طرح سارے بحر اعظم میں بھی ہے۔ جس طرح خشکی میں ہے

ویسا ہی تری میں بھی ہے۔ جزیروں میں بھی اور ہوا کے ذروں میں بھی ہے۔ زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی ہے۔ چاہے آسمان کو جو کچھ سمجھو مگر قانون فطرت ہر جگہ دائر و سائر ہے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے چونکہ زمانہ کی ترقی و دماغ کی ترقی، عالم شباب کو نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے اس وقت کا اعتدال کچھ اور تھا اور اسی کے مطابق آسمانی کتب نازل ہوتی رہیں مگر جب زمانہ ترقی کر گیا۔ یعنی دماغ نے اپنا پورا عروج و کمال حاصل کر لیا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ ایسا قانون لائے جو دماغ و فطرت دونوں کے کمال کے مطابق ہے۔ اور اعتدال پر پہنچی ہے۔ پھر جب ایسے نسخے سرا سرا اعتدال پر بنی ہوں موجود ہوں تو چاہے گرم ملکوں میں استعمال کرو چاہے سرد ملکوں میں۔ چاہے گرم موسم میں چاہے سرد موسم میں مگر وہ تمام ہر جگہ اور ہر وقت یکساں مفید پڑیں گے۔ زمانہ ہزاروں پلٹے کھانے ہزاروں الٹ پھیر ہوں ہزاروں ترقیاں ظہور میں آئیں۔ چاہے زمانہ اسی عالم شباب میں رہے۔ یا دو چار ہزار برس اور پرانا ہو جائے مگر یہ نسخے بالکل فطرت کے مطابق مزاج کے موافق بنے ہوئے ہیں۔ یہ اسی وقت غیر موثر ثابت ہوں گے۔ جس وقت فطرت بدل جائے گی اور فطرت کا مزاج حد اعتدال سے منحرف ہو چلتے گا۔ جب فطرت نہیں بدل سکتی تو اسلامی قوانین بھی جو سرا سرا اصول فطرت پر بنی ہیں ہرگز نہیں بدل سکتے جب قانون فطرت نے بدیہی طور پر یہ دکھلا دیا ہے کہ گرم ملک

ہو یا سرد لڑکیاں زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے قرآن پاک نے بلحاظ
انہی پیدائش اور انکے بانجھ ہونے اور ایام حمل، ایام نفاس اور ایام
رضاعت کے مردوں کو چار (۴) نکاحوں کا مجاز بھی کیا ہے جو ہر حالت
اور ہر صورت میں جائز ضرورت اور لابدی حاجت کے لئے بہترین نسخہ ہے
یورپ کا قانون مذہبی نہیں بلکہ ملکی آئین ہے کیونکہ بائبل میں تعداد
ازدواج کی ممانعت نہیں، اور اکثر اوالعزم رسولوں کی یہ تعداد کثیر بیویاں
بیان کی گئی ہیں۔ مگر ہماری قوم بھی عجیب قوم ہے۔ جب کسی مغربی انسان
کی جانب سے کثرت ازدواج کی مخالفت ہوئی تو لگے قرآن کریم کی تاویل
کرنے اور کہنے لگے کہ قرآن پاک کی رو سے بھی جائز نہیں۔ لوگ یہ بھی
نہیں دیکھتے کہ توراہ میں اس کی نسبت کیا ہے۔ اسلام ہی میں یہ قاعدہ
ہے یا پہلے بھی تھا۔

افسوس ہے ایسے لوگوں پر انہوں نے اتنا بھی نہیں سوچا اور
نہ غور کرنے کی زحمت گوارا کی کہ عرب کی آب و ہوا اور یورپ کی آب و
ہوا میں بہت بڑا فرق ہے عرب کے رسم و رواج یورپ کے لئے اور یورپ
کے رواج و رسم عرب کے لئے کسی حالت میں بھی موزوں نہیں ہو سکے
عرب لوگ قوی تھے گرم مزاج رکھتے تھے وہ ایک بیوی رکھ کر شہوت
پرستی اور بے حیائی سے نہیں بچ سکتے تھے۔ کئی کئی بیویاں رکھتے تھے
حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اس کا انساؤ کیا۔ کثرت ازدواج
توریت میں بھی جائز تھی۔ آپ نے ضرورت کے لحاظ سے معدوم نہیں کیا

بلکہ اس کی اصلاح کی ترکیب نکالی۔ ہر ایک شخص اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ جس کی دو بیویاں ہوں ان میں کیسے جھگڑے ہوتے ہیں۔ کیسی بری گت بنتی ہے۔ مقدس اسلام نے اس کو سلجھانے کی تدبیر نکالی۔ قرآن پاک نے عدل کی شرط لگا دی۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ بیویوں کے ساتھ انسان عدل نہ کر سکے تو پھر ایک ہی بیوی ہونی چاہئے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل کی تشریح ایسے انداز میں بیان فرمائی ہے کہ اگر انسان خالی الذہن ہو کر اس پر غور فکر کرے تو اسے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کا حکیمانہ طرز عمل اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈال رہا ہے۔ اس کو درجہ اعتدال پر لانے کا حد سے زیادہ خواہشمند ہے اور اس بات کے لئے کہ اگر کسی کی دو یا دو سے زیادہ چار تک بیویاں ہوں۔ تو اس کو اپنی بیویوں میں کس طرح کا برتاؤ۔ اور حسن سلوک اور عدل و انصاف برتنظر رکھنا چاہئے۔ اس کا نمونہ آپ نے خود اپنی ذات میں دکھایا ہے۔

ایک سعید القنطری انسان جس قدر غور و خوض کر کے اور تاریخ کے ادراک کی ورق گردانی کر کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات سے واقفیت پیدا کرے گا۔ اسی قدر اس کو اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ آپ مکمل اخلاق اور تمام اوصاف حسنہ سے ایسے متصف تھے کہ ویسے اخلاق اور اوصاف کا کسی دوسرے انسان میں تلاش کرنا محال ہے۔ آپ کی معاشرت کے وہ طریق جو آپ اپنے گھریں اپنی بیویوں سے عملی بالبطح ہو کر برتتے تھے اور جس حسن اخلاق اور محبت سے اپنی بیویوں سے پیش آتے تھے۔ اس کی شہادت اس سے بڑھ کر

اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہوا تو آپ سیدھے گھرتے اپنی بیوی خدیجہ کو ماجرا سنایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقربا پر شفقت فرماتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ رانڈوں، نیموں، بیکسوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ خدا آپ کو یونہی نہ رکھے گا۔ نبوت کے پہلے ہی دن آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کا اسلام قبول کر لینا آپ کی پاک باطنی اور سچائی قلب کی کامل شہادت ہے

اپنی بیوی کے ساتھ آپ کا جیسا بے نظیر برتاؤ تھا وہ ایک ایسے انسان کے لئے جس کا دل تعصب اور دشمنی سے پاک ہو۔ اس کا مل واکل ہادی کی صداقت اور سچائی کے تسلیم کر لینے کے لئے بالکل کافی ہے اس بارے میں حضرت صدیقہؓ سے بڑھ کر اور کون واقف ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ حضرت ہم پر بڑے شفیق تھے کبھی انہوں نے کوئی کام کرنے کے لئے ہمیں نہیں فرمایا کبھی نہیں فرمایا میرے خاطر کرو بلکہ خود ہماری خدمت کے لئے کمر بستہ ہو جلتے تھے (بخاری و مسلم)

اسود کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ "حضرت گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے" (بخاری)

ایک بار آپ نے اپنی عاتقہؓ اور حفصہؓ کی خاطر شہد کا استعمال چھوڑ دیا۔ کیونکہ انہوں نے شہد کی بو کو اپنی طبع کے خلاف بتایا (بخاری شریف) ایسا کرنا آپ کا اس وجہ سے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انا و لہج مہرات کے ساتھ اس طرح

سلوک فرما کر یہ سکھانا چاہتے تھے کہ تمہاری بیویوں کو جن چیزوں سے نفرت ہو اور وہ ان کی طبع کے خلاف ہوں تو انکو ترک کر دو تاکہ تم دونوں میں کسی طرح کی شکر رنجی پیدا نہ ہونے پائے۔ مگر آپ کے ایسا کرنے سے کسی حلال سے استعمال یا انتقال میں کوئی روک پیدا کرنا مقصود نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے یہاں تک زندہ کو بڑھانے سے منع کیا۔ کلام باری تعالیٰ ہے:-

یا ایہا النبی لم تحرم ما احلہ
 اللہ لک تبتغی مرضات اذواجک
 (پتہ سورہ تحریم)

اے نبی جس چیز کو خدا نے تیرے لئے
 حلال کیا ہے تو نے اس کو اپنی بیویوں کو
 خوش کرنے کے لئے کیوں اپنے اوپر حرام کر لیا

ہے۔

آپ جب کبھی سفر میں باہر جایا کرتے تھے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے کہ اپنے ساتھ کسے لے جائیں یہ آپ کے عدل و مساوات کا حال تھا۔ اور حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ آپ جب بیماری کے بڑھ جانے سے بہت لاچار ہو گئے تو آپ نے میرے گھر میں رہنے کے واسطے اپنی بیویوں سے اجازت مانگی انہوں نے اجازت دیدی اور آپ میرے گھر میں اخیر وقت تک تشریف فرما رہے (بخاری شریف)

آپ نے کبھی اپنے ہاتھ سے اپنے خادم اور عورت کو نہیں مارا اور نہ کبھی لعنت کی (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص تم میں سے (اپنی بیوی بچوں یا غلام) کسی کو مارے تو چاہتے

کہ منہ پر مارنے سے پرہیز کرے (بخاری شریف)

آپ کا ارشاد پاک ہے عورت کو ایسا سمجھو جیسے پسلی کی ہڈی۔ ہڈی کو اگر سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ بیٹھو گے۔ اور اگر اس سے کام لیتا چاہو گے تو وہ ٹیڑھے پن ہی میں کام دے گی۔ (بخاری شریف)

آپ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: جیسا تم آپ کھاؤ پہنو ویسا ہی اپنی بیویوں کو بھی کھاؤ پہناؤ اور خبردار، بہت بار دھاڑ مت کرو اور انکو ذلیل اور حقیر مت سمجھو اور ایک روایت میں ہے پورا مومن وہ ہے جو اچھے خلق والا ہو اور اپنی بیوی کے ساتھ اچھی طرح گزاران کرنے والا ہو۔ (مشکوٰۃ)

عورت کی عزت اور اختیارات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد وسیع کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:-

الْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ رُؤُوسِهَا
وَلِكُلِّهَا رِجَالٌ (بخاری شریف)

عورت اپنے شوہر کے گھر پر اور اولاد پر حکمران ہے۔

حضرت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ مبارک میں عورت نفاست و نزاکت اور ضعف خلقت کی وجہ سے ایسے سلوک و احسان کی مستحق ہے کہ وہ ہمیشہ آرام و آسائش میں رہے۔ عورتوں کے حقوق کی رعایت کے مدعی ایسا نمونہ نہیں دکھایا جتنا آپ نے دکھایا۔ دھاڑو اور ہانکنا ان کنتم صادقین،

ایک دفعہ ایک سفر میں اونٹوں کے کجاووں میں عورتیں سوار تھیں۔

ساربان جو اونٹوں کی چہار پکڑے جا رہا تھا۔ حدیث خوانی کرنے لگا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ کالج کے شیشوں کو توڑ پھوڑ نہ دینا "مسلم شریف
آپ نے فرمایا کہ "مجھے دنیا کی چیزوں میں سے تین چیزیں بہت مرغوب
ہیں۔ خوشبو، عمدت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز و مشکوٰۃ شریف، یہ فرمانا
آپ کا عورت کی عزت و عظمت کا دل میں بٹھانا تھا۔"

آپ کو اپنے اخلاق کریمہ اور سیرت فاضلہ پر اس قدر اطمینان اور بھروسہ
تھا کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو حکم دے رکھا تھا کہ جو کچھ وہ آپ کے
متعدد نکاح کرنے کی ایک بھاری وجہ ہی تھی کہ آپ کی اندرونی معاشرت
اور خانہ داری سے دنیا واقف ہو جائے۔ اور ازدواجی زندگی کے مختلف
پہلو دنیا کے سامنے آجائیں۔

بادجو دیکھ بہت سی بیویاں آپ کے نکاح میں موجود تھیں مگر آپ حضرت
خدیجہؓ بہت یاد فرمایا کرتے تھے۔ مرد آہ بھرتے اور فرماتے "آہ وہ خدیجہ!
حضرت صدیقہ دریافت فرماتیں "کہ کیا خدیجہ بوڑھی نہیں تھیں؟" آپ جواب
میں فرماتے کہ "مجھے خدیجہ اس لئے یاد آتی ہیں کہ وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان
لائی تھیں۔ حضرت خدیجہ سے جب حضور نے شادی کی تھی تو انکی عمر چالیس برس
کی تھی۔ اور آپ کی عمر بیس سال تھی۔ اس شادی سے آپ کا مقصد ایک نو عقیدہ
بیوگان کی ضرورت پر نمونہ دکھلانا اور عقیدہ ثانی نہ کرنے کی مذموم رسم کو دور کرنا تھا
اور بعض دیگر باتوں میں سے ایک بات یہ بھی مقصود تھی کہ ہم متاہل زندگی میں
بھی انسانی خواہشات کے تقید سے آزاد رہ سکتے ہیں۔"

بعض نادان انسانوں نے اس مسئلہ میں غلطی کھا کر یہ سمجھا ہے کہ آپ کو

اپنی بیویوں سے محبت نفسانی خواہش اور رغبت کے لئے تھی ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ دنیا اسی لئے کمائی جاتی ہے کہ اس سے انسان اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو اسائش میں رکھے اور عیش و عشرت میں بسر کرے۔ اچھا کھائے، اچھا پہنے، آرام سے سوتے۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے کبھی لگاتار تین دن بھی روٹی نہیں کھائی۔ آپ نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ بوریے پر آپ سوتے تھے جس سے بدن پر نشان پڑ جاتے تھے۔ اگر آپ اپنے ادعا نبوت میں ذرا ڈھیل دیتے تو عرب اپنی رضامندی سے آپ کو بادشاہ بنا لینے کو تیار تھے۔ اور اس زمانے کی رسم کے مطابق سینکڑوں عورتیں حسین سے حسین عیش و عشرت کے لئے مہیا ہو جاتیں۔ مگر آپ نے تمام عمر بجا تے عافیت و آرام کے مصیبتیں اٹھائیں تکلیفیں سہیں اور سوائے حضرت صدیقہ کے باقی سب عورتیں بوڑھی اور جو کئی کئی نکاحوں میں آچکی تھیں۔ انکو اپنے نکاح میں لانا پسند کیا۔ کاش کوئی اس راز کو سمجھنے کی کوشش کرے تاکہ اس کو ہدایت کی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہو۔

کارِ پاکاں بر برداں کردن قیاس پیو کارِ ناپاکاں بوداے بدحواس۔
 اُن دونوں میں جب کہ آپ کے تمام رفقاء مالا مال ہو رہے ہیں۔ تمام انصار اور ہاجرین کے گھروں میں مالِ غنیمت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ کسی چیز کی حاجت کسی کو باقی نہیں۔ اس فراخی اور کشادگی کے عالم میں ایک صحابی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آپ کے گھر میں کس قدر اسائش اور راحت کے سامان موجود ہیں تو صدیقہ نے جواب میں فرمایا کہ خیر سے

نفل پر کچھ جو آجاتے ہیں جن کو آنحضرت صلعم اپنے مختلف گھروں میں تقسیم فرمادیا کرتے ہیں ان جوڑوں کو ہم خود کوٹ کر اور پیسکر آٹا بنا لیتے ہیں اور منہ کی پھونک سے ارد گرد جو پر سے بھوسی کو دور کر لیا جاتا ہے کبھی کبھریں۔ سرکہ یا شہد عیسرا گیا تو وہ سالن کا کام دے جاتا ہے۔ بس نان جویں پر گزارہ ہو جاتا ہے یہی نقشہ اس حد کے پیارے محبوب کے گھروں کا جس سے کسی عقلمند کے لئے اس نتیجہ پر پہنچنا کیا مشکل ہے کہ آپ کو اپنی بیویوں سے محبت کسی خواہش نفسانی کی بنا پر مبنی نہیں تھی۔ اس مسئلہ کو اور بھی واضح کرنے کے لئے حضور کی زندگی کے اس مشہور واقعہ کا بیان کر دینا اور بھی زیادہ مفید اور نافع ہو گا کہ ایک دفعہ حضور کی بیویوں نے اپنے مقدس شوہر کی اس داد و دہش کا حال سن کر جو آپ اپنے اصحاب اور عام فقراء و مساکین کے ساتھ روار کھتے تھے عرض کیا کہ حضور کچھ ہمیں ملنا چاہئے۔ بیوی سے بڑھ کر کون حق دار ہے۔ مگر آپ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (اے بیویا! اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکے ان کُنْتُمْ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زَيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمْتِكُنَّ وَاَسْرِكُنَّ سَرًا حَاجِبِيْلًا دِيًّا سَرَابًا) سے رخصت کر دوں۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس حکم کو سن کر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو اللہ و رسول اور آخرت کو پسند کرتی ہوں اور بیویوں نے بھی ایسا ہی کہا د بخاری کتب تفسیر اب بھی اگر کسی نادان شخص کو اسپر ایہاں نہ ہو کہ آپ کا محبت کرنا اپنی

بیویوں سے محض خالصاً لوجہ اللہ تھا اور آپ کے حسن اخلاق کا نتیجہ تھا تو سوائے اس کے کہ لٹے دعائے ہدایت کی جائے اور کیا ہو سکتا ہے مسلمان اگر اس اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے تو آج انکے گھر جنت کا نمونہ بن جاتے اور دنیا کی قومیں انکو دیکھ کر اتنا کچھ شور اور داد ہلا تعداد ازدواج کے متعلق نہ مچاتیں۔ جیسا کہ مچایا جاتا ہے۔ پس ایسے مسلمانوں کو شرم کرنی چاہئے جو اس مسئلہ پر کئی طرح کی بے جا تاویلات کرتے ہیں یا اپنی بیویوں سے حسن سلوک اور عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔

آپ کی گزران اسباب معیشت

یہ بالکل سچ اور بجا ہے جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ نبوت کے دعوے کی دلیل نبی کی زندگی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ دلیل کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نتیجہ براہ راست مخاطب کو تسلیم دعویٰ پر مجبور کرے۔ ایک شخص دنیا میں ظاہر ہو کر دعویٰ کرتا ہے وہ ہدایت و ارشاد کی دعوت خدا کی جانب سے لیکر آیا ہے اور باوجود اسے کہ وہ اسی قوم اور سوسائٹی کا ایک فرد ہے تاہم اس کے اندر ایک قوت ہے جس کے ذریعہ وہ انسانوں کے اعمال و معتقدات کی صف اللہ دیتا ہے اور ایک بہت بڑی پاک تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اس تبدیلی کا اولین نمونہ خود اپنی زندگی کو ثابت کرے اور جس نفس کے تسلط سے آزاد کرنے کے لئے وہ آیا ہے اس سے وہ خود بھی آزاد رہے۔ وہ اخلاقی جن کے قہار و جبار لشکر کو شکست

دینے کا وہ مدعی ہے اس کو خود بھی شکست دے چکا ہو۔ اس نے اپنے اخلاق و خصائل میں صفات الہیہ کا ایک منظر قدسی پیدا کر لیا ہو۔ اور وہ باوجود پورے انسان ہونے کے پھر بھی اپنے اعمال کے اندر عام مطیع انسانیت سے بالاتر ایک جلوۂ حق رکھتا ہو۔ مختصر یہ کہ وہ قوائے فطریہ انسانہ کے جس صحت استعمال کا مدعی ہے خود اسکی زندگی بھی اس کی شہادت دیتی ہو۔

کون ایسا انسان ہے جس کے ہاتھ میں دولت ہو اور تمام ضروریات دنیوی کو حاصل کر سکنے کی اس میں قوت و طاقت ہو اور پھر وہ اپنے عیش و آرام، آرائش و اسائش کی فکر نہ کرتا ہو اور اپنے ہم جنسوں میں فوقیت و برتری کا خواہاں نہ ہو۔ اس کے برخلاف ایک ایسا شخص کہ جس کے پاس ایسی قوت ہی سرے سے نہ ہو تو وہ اگر ان باتوں سے کنارہ کش رہے تو کونسی بڑی بات ہے۔

گداگر تو اضع کند خونے دست

حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ شہنشاہ مانے جاتے تھے آپ کی عزت و عظمت آپ کے پیروؤں کی نگاہ میں اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔ دنیا کے سلاطین آپ کے جلال و رعب سے کانپتے تھے۔ قیصر کفش برداری کا متہنی تھا، نجاشی عنالہ پاپینے آرزو رکھتا تھا۔ مقوقش نام سے لڑہ برانداز تھا، کسری رعب سے مبہوت تھا۔ ایام فتح مکہ میں خود ابوسفیان کو یہ اعتراف تھا کہ اپنی رہایا میں کسری دقیر تک کو یہ شاہانہ جلال نصیب نہیں ہے۔

علاوہ اس کے مال غنیمت میں ہزار با قسم کے سامانِ راحت اس آتش
تقسیم کر رہے ہیں اور ساتھی بھی اس قسم کے ہیں کہ اگر نبی کریم کل کا کل مال اپنے
یا اپنے متعلقین کے مصروف میں لے آئیں تو انہیں اعتراض کیا بلکہ عینِ راحت
ان تمام حالات کے باوجود اس شاہانہ جلال کے باوجود اس عزت و
عظمت کے باوجود اس قدر سامانِ راحت بسر آنے کے آپ بالکل فقیر تھے۔
درویش تھے اور غریب انسان کی طرح گزر کرتے تھے۔

شہنشاہوں میں شہنشاہ مسکینوں میں مسکین تھے۔ تعالیٰ اللہ زہے شانِ جلالی اور جلالی ہے
فلک دیکھے بہت تو نے جہانے رنگ پر دیکھا۔ نہ ایسا گھر فقیرانہ نہ دربار ایسا شاہانہ
(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "نہیں بیٹ بھرا
آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی سے پے در پے دو دن۔ یہاں تک
کہ آپ نے وفات پائی (بخاری و مسلم)۔"

(۱۲) حضرت موید بن نعمان کہتے ہیں کہ خیبر کے زمانہ میں مقام صہبائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سولہ ستو کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے انکو
کھولا اور ہم سب نے مع حضور کے پیانا۔ (بخاری شریف)

(۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

پھوناجس پر آپ استراحت فرماتے تھے چمڑے کا تھا اور اس کے اندر روٹی
کی جگہ، کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے (بخاری و مسلم)۔

اور شمالی ترمذی میں آیا ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پھوناجس کاٹا کا تھا۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن ایک انصار کی بیوی میرے پاس آتی اس نے ہمارے گھر میں ایک دوپہری چادر حضور کے بستر کی دیکھی تو اس کو افسوس ہوا یہاں سے اٹھ کر سیدھی اپنے گھر پہنچی اور وہاں سے ایک عمدہ بستر حضور کے لئے بھیجا جس میں ادن بھری ہوئی تھی۔ میں نے اس بستر کو لے کر خوشی سے اپنے گھر میں رکھ لیا۔ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ ”عائشہ آج یہ نئی چیز تمہارے ہاں کیا رکھی ہے؟“ میں نے عرض کیا حضور۔ فلاں انصار یہ نے آپ کے لئے بستر بھیجا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ اسی وقت اس بستر کو واپس کر دو۔ یہ ہم بندوں کا کام نہیں ہے۔ قسم خدا کی اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے دشمس التواریخ

(۵) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں حضور کیسے بچھونے پر استراحت فرمایا کرتے تھے۔ جناب ام المؤمنین نے جواب دیا کہ ”ایک ٹاٹ تھا جسے ہم دوپہرا کر کے بچھا لیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے اس کی چار تہیں کر کے حضور کے نیچے بچھا دیا تاکہ نرم رہے۔ صبح اٹھ کر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ ”رات کو تم نے میرے نیچے کیا بچھا دیا تھا؟“ میں نے کہا جی وہی ٹاٹ ہے جو روز بچھا کرتا تھا۔ اب آج کل شب کو میں نے چارتہ کر دی تھیں تاکہ ملائم ہو جائے“ ارشاد ہوا کہ ”اے ویسا ہی کر دو جیسا تھا۔ کیونکہ اس کی نرمی نے رات کو میری نماز میں ڈھیل ڈال دی۔ دشمس التواریخ“

(۶) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عبا تھی وہی آپ جہاں تشریف لے جاتے تھے دوپہری کر کے اپنے نیچے بچھا لیتے تھے۔ آپ اکثر چٹائی پر ہی

سور پتے تھے اور اس کے سوائے حضور کے نیچے کچھ نہ ہوتا تھا۔ عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ اس بورے کے نشان آپ کی پسلیوں پر دیکھ دیکھ کے مجھ رونا آجاتا تھا۔ (شمس التواریخ)

(۷) حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جس وقت حضور نے انتقال فرمایا

میرے پاس تھوڑا سا جو کا آٹا اور نصف دست جو تھے اس کے سوا کوئی شے کھانے کی یا روپیہ پیسہ ہمارے پاس نہ تھا۔ (شمس التواریخ)

(۸) آپ فرماتی ہیں کہ ”کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہینہ مہینہ بھر ہمارے

گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی پکانے کی چیز نہیں ہوتی تھی صرف کھجوروں اور پانی سے گزر اوقات ہوتی تھی (بخاری و مسلم)

(۹) ابی بردہ فرماتے ہیں کہ ”جب نبی کریم صلعم کا انتقال ہو گیا تو حضرت

عائشہ صدیقہ نے ایک چادر پونڈگی ہوئی اور ایک تہ بند موٹا نکالا اور فرمایا کہ انہی دو کپڑوں میں جو ہمارے گھر میں تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی (بخاری شریف)

(۱۰) حضرت عائشہ صدیقہ نے اس نازک وقت میں جب کہ آپ نزع

کی حالت میں تھے ایک پردن سے مانگ کر چراغ کے لئے تیل منگوایا تھا (بخاری شریف)

اللہم صل وسلم وبارک علیہ

یہ ہے نقشہ اس شہنشاہ کے گھر کا

دو جہاں کی نعمتیں تھیں اٹے خالی ہاتھ

مالک کو نہیں تھے گو پاس کچھ رکھتے تھے

حضور انور لباس میں بالکل تکلف نہیں کرتے تھے کبھی کبھی آپ نے

محض جواز کے لئے نفیس اور قیمتی کپڑا بھی پہنا ہے۔ لیکن فی الفور کسی کو بخش دیا اسی لئے نفیس کپڑے کی عادت اور قیمتی کپڑے کی قید خلاف سنت ہے۔ اگرچہ قیمتی کپڑا پہننا ناجائز نہیں ہے۔ لیکن میانہ روی ہر جگہ محمود ہے۔ لباس ستھرا اور پاکیزہ پہننا آپ کے نزدیک ناپسند نہیں تھا۔ بلکہ عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایسا شخص ہرگز داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی عزور اور گھمنڈ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہر ایک آدمی اچھے کپڑے اور اچھے جوتے کو پسند کرتا ہے (تو پھر کیا حال ہوگا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ وَ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكَبِيرُ يَطْرُقُ الْحَقُّ وَ عَمَطُ النَّاسِ (مسلم شریف) یعنی تحقیق خدا جمیل ہے۔ جمال اور ستھرائی کو دوست رکھتا ہے۔ (مطلب یہ کہ اچھی پوشاک خدا کو پسند ہے) عزور نہیں بلکہ گھمنڈ اور عزور حق کو باطل کرنا۔ واجبی بات کا انکار کرنا اور لوگوں کو ذلیل اور حقیر جاننے کا نام ہے۔

(۱۱) آپ کی گزران ایک معمولی عزیز سے عزیز انسان کی جیسی ہوتی ہے ویسی ہی تھی۔ آپ مجلس میں جہاں کہیں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جایا کرتے تھے اپنے جوتے کو خود گانتھ لیتے تھے۔ اپنا کپڑا خود دھو لیتے تھے۔ اپنے کپڑے میں خود پیوند لگا لیتے تھے۔ بکری کا دودھ دودھ لیتے تھے۔ اونٹ کو خود ہی باندھ دیتے تھے اور مویشی کو بھی چارہ ڈال دیتے تھے۔

الحاصل آپ کی سادگی اور بے نفسی، غریبانہ گزراوقات، درویشانہ

بود و باش سے کون ایسا سنگدل انسان ہے جو اس نتیجہ پر نہ پہنچے کہ آپ دنیا کی طمع اور لالچ، جاہ و منصب کے خواہاں نہ تھے بلکہ آپ سچے عاشق اور سچے طالب اپنے مولے کے تھے جنہوں نے خدا نے تعالیٰ کی محبت میں سب کچھ کھو کر اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ نہ ...
خود کو اتنا کہ تو نہ رہے تجھ میں تیری خودی کی بوند

عدل و انصاف

عدل اس پاکیزہ وصف کو کہتے ہیں جس کے اقتضائے سے مجرم اور نیکو کار کو اس کے عمل کا ٹھیک معاوضہ دیا جاتا ہے اور عفو کا وصف گنہگار کے جرم سے درگزر کا محرک ہوتا ہے۔ اگر عدل نظام عالم کی جان ہے تو عفو دنیا کے لئے جان بخش ہے کیا اچھا کہا گیا ہے
ع "در عفو لذت نیست کہ در انتقام نیست"

عادل اور انصاف پرور حکومتیں اگرچہ عام طور پر عفو اور درگزر نہیں کر سکتیں پھر بھی خاص خاص اوقات اور مواقع پر وہ اس وصف کی مظہر ضرور بن جاتی ہیں اور انہیں بتنا بھی چاہئے کیونکہ محض سزا اور جزا ہی انسانی فطرت کے مناسب نہیں بلکہ وہ مراعات اور رحم کی بھی خواہاں ہوتی ہیں۔ جس کے نہ ملنے سے نظام فطرت درہم برہم ہو جاتا ہے ہمارے پیارے نبی حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں خاص عفو و رحم جس درجہ کا تھا۔ اس سے قارئین کرام واقف ہو چکے ہیں اور وہ پہلے پڑھ چکے

ہیں کہ آپ اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے اور نہ کسی پر غصہ اور ناراض ہوتے تھے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور کو اگر غصہ آتا تھا یا کسی جرم کی سزا آپ دیتے تھے تو صرف اس صورت میں کہ جب کسی سے خدا کی نافرمانی ہوتی تھی اور یہ آپ کا انتقام لینا محض خدا کے لئے ہوتا تھا۔ (مسلم شریف)

اور بخاری شریف میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا۔ (ہمیشہ عفو ورحم سے معاف کر دیا، لیکن اگر خدا کی حرمت کے خلاف کیا جاتا تھا تو آپ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا انتقام لیتے تھے۔)

دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ اخلاق اور قانون۔ اخلاق کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور قانون کا تعلق حکومت اور اجتماع انسانی سے ہے۔ عفو و درگزر اور صلح و مغفرت انسان کا بہترین وصف ہے لیکن اگر اس کی ذات سے تجاوز کر کے وہ حکومت اور جمیعت انسانی تک پہنچ گیا تو وہ قانون کی سرحد میں آگیا جہاں چشم پوشی جرم عظیم اور عفو گناہ کبیرہ ہے جو کہ جرائم کے لئے ہمت افزا ہوتا ہے اور دشمن امن انسانی ہے۔ قانون پر چلنے کا نام انصاف ہے اور اس سے چشم پوشی کرنے یا اس کی خلاف ورزی کا نام بے انصافی ہے۔ بے انصافی ایک ایسا ناقابل معافی جرم ہے جس سے بندگان خدا کے حقوق کی سخت ممانعت ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ ظالم آدمی اپنا ہی کچھ

بجائزتا ہے کسی دوسرے کا کیا بگاڑتا ہے۔ تو ابو ہریرہ نے فرمایا کہ دوسروں کا کیوں نہیں بگاڑتا۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ چڑیا بھی اپنے گھونسلے میں ظالم کی نحوست کے سبب سوکھ کر مر جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۱) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ رحیم تھے، کریم تھے۔ عفو و درگزر کرنا آپ کا کام تھا مگر عدل و انصاف میں آپ کسی کی رُدرعایت نہیں فرمایا کرتے تھے اور اس خاص وصف میں آپ قبل از منصب نبوت تمام قریش میں ضرب المثل تھے۔ آپ کے عدل و انصاف پر تمام قریش کو پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو قبل از نبوت بھی اکثر معاملات میں حکم بنایا کرتے تھے۔

آپ کی زندگی کے واقعات میں یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب ہجر شریف آپ کی ۵۳ سال کے قریب تھی تو اس وقت کعبہ شریف کی قریش نے از سر نو تعمیر شروع کی۔ اس مذہبی کام میں سب قبیلوں نے شرکت کی اور کام ختم ہو گیا۔ جب حجر اسود لگانے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ نے چاہا کہ ہم حجر اسود اٹھائیں اور اسکی جگہ لگائیں اس کے رکھنے واسطے مباحثہ ہونے لگا۔ ہر شخص یہی کہتا تھا کہ مجھے یہ فخر حاصل ہو اور میرے ہی محلہ کی طرف اس کا رخ رہے حتیٰ کے یہ جھگڑا طوالت پکڑ گیا۔ اور ہر ایک آدمی کشت و خون آمادہ ہو گیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ کل جو شخص مسجد حرام میں سب سے پہلے آئے وہ اس کے بارے میں جو کچھ فیصلہ دے اسکی راتے پر عمل کیا جائے۔ دوسرے دن فجر کو سب سے پہلے آپ ہی تشریف لائے۔ اور یہ مقدمہ آپکے سامنے پیش

آپ کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر بچھا کر حجر اسود اس پر رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلے کے سردار آئیں اور چادر کے گوشے پکڑ کر اٹھائیں جب حجر اسود اپنے موقع پر آیا آپ نے دست مبارک سے اس کو نصب کر دیا۔ اس طرح یہ جھکڑا طے ہو گیا۔ قریش آپ کے اس انصاف سے نہایت مسرور ہوئے اور جنگ و جدل کے خیالات ان کے دلوں سے دور ہو گئے۔ ہر ایک سردار راضی ہو گیا اور خوش خوش گھر آیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو حرم کی زمین ہزاروں آدمیوں کے خون سے لال ہو جاتی دیکھ واقعہ اکثر کتب حدیث و سیر میں بہ تفصیل درج ہے) | (۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا اس نے چوری کی۔ معاملہ سرکار رسالت میں پہنچا۔ گو لوگوں کو یہ خیال تھا کہ آپ خدائے تعالیٰ کے احکام میں کسی کی رعایت نہیں کرتے ضرور فاطمہ کو سزا دینگے۔ مگر تاہم انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے جو سرکار کو بہت پیارے تھے سفارت کرانی۔ انہی سفارش کے جواب میں حضور نے فرمایا "اسامہ! کیا تم حد و دہلی میں سفارش کرتے ہو۔ اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا دیکھ بخاری کتاب الحدود |

کر سوار بن عمر کہتے ہیں کہ وہ ایک دن سرکار رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ و السلام کے سامنے درس کارنگین کپڑا پہن کر گئے۔ سرکار نے خط خط فرمایا اور چھڑی سے ان کے شکم میں چونکا بھی دیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو قصاص لوں گا سرکار نے جھٹ اپنا شکم مبارک برہمنہ کر کے میرے سامنے کر دیا دشمنان عیاض! اللہ اللہ کس قدر آپ کو عدل انصاف

مَدِ نَظَرَ تَحَا۔ اپنے نفس کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے اور کسی حالت کسی کا حق غضب کرنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔

۴ (۳) ایک دن ایک یہودی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرض لیا تھا تقاضے کو آیا اور سختی سے مطالبہ کرنے لگا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔ سرکار ہنس پڑنے۔ اور فرمایا ستم تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ اور طرح برتاؤ کرتے۔ مجھے حُسنِ ادائیگی کے لئے کہتے اور اسے حُسنِ تقاضا سکھاتے۔ پھر حضور نے زید کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا "ابھی تو تین دن باقی ہیں۔ پھر حضرت فاروقؓ سے فرمایا۔ اس کا قرض ادا کر دو۔ ۲۰ صاع زیادہ بھی دینا کیونکہ تم نے اسے بلا وجہ دھمکایا اور ڈرایا بھی ہے (شفا عیاض)۔

۵ (۴) ایک دن آپ اپنی بیوی کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ آپ کی کسی دوسری بیوی نے ایک رکابی میں کھانا بھیجا جس بیوی کے گھر میں آپ تشریف فرما تھے اس نے غلام کے ہاتھ جب اسکو واپس بھیجنا چاہا تو وہ رکابی گر گئی۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ حضور نے اس کے ٹکڑے جمع کئے اور خادم کے ہاتھ اس بیوی سے (جس کے مکان میں آپ تھے) دوسری نئی رکابی منگوا کر اس بیوی کے ہاں (جس کی رکابی ٹوٹی تھی) بھجوا دی۔ اور وہ ٹوٹی ہوئی رکابی اس بیوی کے گھر میں رکھ دی جس نے توڑی تھی۔ (بخاری شریف)

۱ (۵) مدینہ طیبہ میں ایک دن ایک مسلمان اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا چونکہ آپ کی دیانت و امانت اور عدل و انصاف کو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے اور یہودی برسرِ حق تھا۔ اس لئے اس نے مسلمان سے کہا کہ چلو تمہارے

ہی پیغمبر صاحب جو فیصلہ کر دیں وہ مجھ کو منظور ہے۔ آخر کار یہودی اس کو کشاں کشاں دربار رسالت میں لے آیا۔ آپ نے مسلمان کا کوئی پاس نہ کیا اور فوراً یہودی کے حق میں فیصلہ دیدیا (موضع القرآن) |

✓ (۶) عدل و انصاف کے بارے میں آپ کا یہ حال تھا کہ عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب تعلق والا آدمی بھی اگر کوئی ہوتا تو ممکن نہیں کہ آپ اسکی کسی طرح رو رعایت کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے چچا زاد بھٹا ہونے کے علاوہ آپ کے داماد بھی تھے اور منظور نظر بھی ایسے تھے کہ آپ ہر ایک معاملہ میں انکی خاطر عزیز رکھتے تھے مگر عدل و انصاف کے بارے میں ان کے ساتھ بھی یہ حال تھا کہ فتح مکہ کے دن آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر بیت اللہ کا دروازہ کھلوا یا۔ کیونکہ وہ اس وقت کعبہ کے کنبی بردار تھے۔ داخلہ کے بعد حضرت عباسؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش ہوئی بیت اللہ کی کنبی انکول جائے۔ چنانچہ انہوں نے دربار نبوی میں درخواست کی کہ کعبہ کی کنبی ہمارے حوالے کی جائے اور ہم کو کعبہ کا کنبی بردار بنایا جائے درخواست کرنے والے ایک تو آپ کے چچا تھے اور دوسرے داماد جن سے بڑھ کر کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار اور نہیں ہو سکتا مگر آپ نے فرمایا کہ جس کا حق ہے اسی کے پاس رہے گا۔ اور کنبی اس کے حوالے کی۔ (باب النقول) اور کنبی دیتے وقت آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "ہمیشہ کنبی بردار تمہارے پاس رہے گی" (جلالین)۔

چنانچہ یہ خدمت شیبہ ہی کے خاندان میں رہی۔۔۔۔۔

حضرت علیؓ اور عباسؓ کے کلید مانگنے کی یہ وجہ تھی کہ ابتدائے ایام نبوت میں ایک دفعہ حضور صلعم نے اسی عثمان بن ابی طلحہ سے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کھول دو اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ تو حضور نے فرمایا تھا۔ اچھا تم دیکھ لینا کہ ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا۔ عثمان نے جواب دیا تھا کہ "کیا اس روز قریش کے سب مرد ذلیل و تباہ ہو جائیں گے۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ اور بھی زودہ عزت و اقبال سے ہوں گے۔ ان دونوں صاحبوں کے دل میں اس بات کا خیال تھا مگر حضور نے ان کی درخواست کے جواب میں فرمایا۔ "الیوم یوم البر والوفاء" آج کا دن سلوک کرنے اور عطیات پورے کر دینے کا ہے، پھر عثمان کو بلایا اور فرمایا کہ "جو کوئی تم سے یہ کلید چھینے گا۔ وہ ظالم ہوگا۔" ۱۲ منہ

۴ (۷) آپ کے زمانہ باسعادت میں ایک انصاری کی زہرہ آٹے میں رکھی ہوئی چوڑی ہو گئی اور آٹے کا کھوج پہلے ایک مسلمان طعمہ بن امیرق اور پھر ایک یہودی کے گھر تک لگا۔ اور زہرہ یہودی کے گھر سے برآمد ہوئی یہودی نے کہا کہ طعمہ رکھ گیا ہے طعمہ سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں بری ہوں چور وہی ہے۔ طعمہ کی قوم نے رات کو مشاورت کی کہ ہم سب مل کر دربار رسالت میں چلیں اور اسکی صفائی کی شہادت دے آئیں تاکہ طعمہ بری ہو جائے۔ اور جب ہم سب مل کر آپ کے پاس چلیں گے تو آپ ہماری ضرورت حایت کریں گے اور یہودی کو چور ٹھہرائیں گے۔ صبح کو

وہ تمام مل کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی طہ کے چور ہونے کی اطلاع دیدی تھی۔ آپ نے اسے صاف فرمادیا کہ میں انصاف میں کسی کی رورعایت نہیں کر سکتا۔ فی الحقیقت چور طہ ہی ہے

باب القول /

(۸) انصاف کے معاملہ میں آپ شریف اور ذلیل کی تمیز نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ سب کے ساتھ مساوی عدل و انصاف برتا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودی کے دو گروہ تھے۔ ایک زبردست دوسرا گروہ ضعیف زمانہ جاہلیت میں انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ شریف گروہ والا اگر رذیل گروہ والے کو قتل کر دے۔ تو بچاس دسوق غلہ اس کے عوض میں ادا کرے۔ جب آپ کا زمانہ آیا اور آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اتفاقاً سے ایک شریف کو ایک رذیل نے مار ڈالا۔ شریف کے وارثوں نے ایک سو دسوق ملنگے رذیل نے کہا کہ یہ قاعدہ تو زبردستی کا تھا۔ ہم نے ڈر کے مارے قبول کر رکھا تھا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اب ہم برابر دیں گے۔ زیادہ کسی صورت میں نہیں دیں گے۔ اس پر اچھکڑا ہوا۔ آخر یہ مقدمہ سرکار نبوت میں تصفیہ کے لئے پیش ہونا تجویز ہوا۔ چونکہ زبردست گروہ والے یہودیوں نے اپنے دل میں یہ صلاح ٹھہرائی تھی کہ اگر آپ ہماری مرضی کے مطابق فیصلہ دیں گے تو ہم مانیں گے۔ ورنہ نہیں۔ اس لئے انہوں نے بعض منافق لوگوں کو جو درپردہ ان سے ملے ہوئے تھے۔ آپ کی خدمت اقدس میں پہلے خفیہ طور پر اس واسطے بھیجا کہ آپ کی رائے معلوم کریں۔ اگر ہمارے موافق

ہوتی تو وہاں یہ مقدمہ لے جائیں۔ ورنہ کچھ اور صورت کریں۔ آپ کو بذریعہ وحی اس منصوبہ کی خبر مل گئی اور آپ نے یہودیوں کو بلا کر فرمایا کہ:-

ان المقسطین عند الله على
انصاف کرنے والے لوگ قیامت کے
منابر من نور عن يمين الرحمن
دن نور کے منبروں پر اللہ سبحانہ تعالیٰ
وكلنا يدیه يمين الذین يعدون
کے واسطی طرف بٹھائے جائیں گے۔ حالانکہ
فی حکمہم و اہلیہم -

اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دلہنے ہی ہیں
(مشکوٰۃ من المسلم) مگر انصاف والے وہ ہیں جو اپنے اور پرستار

کی رعایت اور جانبداری نہیں کرتے بلکہ عدل و انصاف میں مساوت برتتے ہیں
(۱۰) آپ کو جس قدر خوشی کسی کے مسلمان ہو جانے سے ہوتی تھی۔ اتنی کسی

اور بات سے نہیں ہوتی تھی چونکہ لوگوں کو مسلمان بنانا آپ کا مشن تھا۔ اس
لئے مسلمان ہو جانے والے کی ہر ممکن خدمت و رعایت آپ کو منظور خاطر
ہوتی تھی مگر عدل و انصاف کے معاملے میں آپ اس امر کی بھی پروا نہیں
کیا کرتے تھے جس سے آپ کی صداقت اور راستی کا کامل ثبوت ملتا ہے کعب
بن اسید اور عبد اللہ بن صویب اور شاس بن قیس وغیرہ سردار اور علمائے

یہود نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ لوگ بلکہ سرکار رسالت میں آئے اور
اگر عرض کی کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ یہود کے علماء اور سردار ہیں۔

اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو تمام یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ سو آپ
کی اور ہماری قوم کے کچھ مناقشے ہیں۔ ہم وہ مقدمات آپ کے پاس لائیں گے

اگر آپ ہمارے موافق فیصلہ دیں گے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ آپ نے

فرمایا: "یہ نہیں ہو سکتا کہ میں جاوۃ انصاف سے باہر قدم رکھوں اور کسی کی حق تلفی کروں۔" (الباب النقول)

۱۱) حضرت نبی کریم سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی پاک اسوۂ حسنہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کے متبعین میں بھی یہ خاص وصف اس درجہ کا تھا کہ آج بڑے بڑے مدعیان تہذیب اس کا عشرِ عشر بھی ونیل کے سامنے پیش نہیں کر سکتے۔ اسی عدل و انصاف کا نمونہ یہ ہے کہ جبکہ جیلہ بن ابہم غسانی ایک عیسائی شہزادے نے عہدِ فاروقی میں اسلام قبول کیا تھا۔ طوافِ کعبہ کے موقع پر اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جیلہ نے اس کے منہ پر ایک تھیٹر مارا اس نے بھی برابر کا جواب دیا جبکہ غصہ سے بیتاب ہو گیا اور حضرت فاروقِ اعظمؓ کے پاس آکر شکایت کی۔ آپ نے سن کر فرمایا کہ "تم نے جیسا کیا تھا ویسی ہی اس کی سزا بھی پائی" اس نے کہا ہمارے ساتھ کوئی گستاخی کرے تو اسی سزا قتل ہے" مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے شریف و ذلیل اور پست و بلند کو ایک کر دیا ہے" جبکہ اس ضد میں پھر عیسائی ہو گیا۔ اور روم بھاگ گیا۔ لیکن خلیفہ اسلام نے مساواتِ اسلامی کی قانون شکنی گوارا نہ کی۔

یہ ہے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانروائی کی اصلی تصویر آپ کے نزدیک ظلم سے بڑھ کر کوئی گناہ اور نہ تھا۔ اور غفور و رحیم سے بڑھ کر کوئی بھلائی اور خوبی نہ تھی مگر اپنے اپنے موقع اور محل پر۔

الحاصل آپ ہر معاملہ میں عدل و انصاف سے کام لیتے تھے۔ آپ کے نزدیک ناحق کی پیروی کرنے والا اور ظلم کرنے والا بدترین خداتق تھا۔ آپ نے فرمایا کہ:-

مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيَقْوِيَهُ وَ
هُوَ يَعْلَمُ أَنَّ ظَالِمًا قَدْ خَرَجَ
مِنَ الْإِسْلَامِ (مشکوٰۃ)

جس شخص نے کسی ظالم کی مدد کی اور اس کو معلوم ہے کہ یہ شخص ناحق پر ہے پس وہ شخص اسلام سے خارج ہو گیا (مطلب

یہ کہ ظالم کی مدد کرنا بھی منافی اسلام ہے) نیز آپ نے فرمایا:-

مَنْ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا
وَلْيُتَبَوَّأْ مَقْعَدًا مِنَ النَّارِ مَنْ
أَعَانَ عَلَى خُصُومَتِهِ وَهُوَ لَا
يَعْلَمُ أَحَقُّ أَدْبَابِلُ فَهُوَ
مَحْظُوقٌ مِنَ اللَّهِ حَتَّى يَنْزِعَهُ

جس شخص نے چھوٹا دعویٰ کیا وہ ہمارے دین پر نہیں اور وہ دوزخ میں اپنا گھر سمجھے یعنی جس نے کسی جھگڑے میں مدد کی اور یہ نہیں جانتا کہ سچ ہے یا جھوٹ ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہے

جستگ اس کام سے الگ نہ ہو جائے (مشکوٰۃ)

مختصر یہ کہ آپ نے تمام مسائل شریعت کو ایسے اعلیٰ انصاف و عدل پر مبنی ہیں کہ جن کا مقابلہ دنیا کا کوئی قانون اور شریعت نہیں کر سکتی ہر ایک موقع پر ایسے انصاف سے برتا ہے کہ جو آپ کی صداقت کے لئے کافی دانی ہیں۔

جب سے مسلمانوں نے ان خاص وصفوں کی طرف سے کوتاہی اور لاپرواہی کر لی ہے اسی دن سے ان کا وقار بھی دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ مندرجہ بالا

واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک تعلیم میں حقیقی مساوات کی کیسی اعلیٰ تعلیم ہے اور اس کا جو نمونہ خود سرکار رسالت مآب نے اپنی ذات پاک سے خود عمل کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کی نظیر سے تاریخ عالم خاموش ہے۔ یورپ جس کو اپنے تمدن پر بہت بڑا غرور اور گھمنڈ ہے جہاں سے شخصی فرمانروائی کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ جہاں قانون کی عزت سب سے بالاتر سمجھی جاتی ہے۔ جہاں مساوات و آزادی کے غفلوں سے گوشہ گوشہ گونج رہا ہے۔ ایک نظیر بھی ایسی پیش نہیں کر سکتا جس میں فرمانروائی وقت نے ایسے صاف اور سچے لفظوں میں مساوات انسانی کا اعلان کیا ہو، اعلان ہی نہیں بلکہ خود اس کا نمونہ بھی پیش کر کے دکھا دیا ہو یہ شرف خاص اس خدا کے پیارے رسول اکرم اور اس کامل و اکمل انسان ہی کا حصہ تھا جس نے چھٹی صدی عیسوی کی تاریکی میں حقیقی حریت و مساوات انسانی کا چراغ روشن کیا۔ اور اعلان کر دیا کہ

لَوَانٌ فَاطِمَةٌ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَوَقَتْ
 لَقَطَعْتُ يَدَهَا دِمْحَارِي،
 خدا کی قسم، اگر محمد کی بیٹی فاطمہؑ بھی چوری
 کرتی تو اس کے ہاتھ بھی ضرور کاٹے
 جاتے اللہم صل وسلم بارک علیہ

مسلمانوں! تمہارے کرتوتوں سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔ خدا را
 ہوش میں آؤ اور اپنے برگزیدہ آقا کے اس ارشاد پاک کو اپنا دستور العمل بناؤ۔
 اَقِمُوا حُدُودَ اللَّهِ عَلَى الْقَرِيبِ خدا کے مقرر کردہ حدود یعنی قوانین آئین

والبعید ولا تأخذکم یومئذ . دور قریب رشتہ دار غیر رشتہ دار سب
 لاقہ فی اللہ (ابن ماجہ کتاب الحدیث) پر یکساں جاری کرو اور خدا کے معاملہ
 میں تم ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔

جو دو سخا

انسانی اوصاف میں سخاوت ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے
 انسان خالق و مخلوق دونوں کے نزدیک مقبول و محبوب ہو جاتا ہے۔ اور
 دونوں اسے عزیز رکھتے ہیں "السَّخِيُّ حَبِيبُ اللَّهِ" یعنی سخی خدا کا دوست ہوتا
 ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام منصب نبوت کے فرائض انجام
 میں اس درجہ منہک تھے کہ آپ کو کبھی مال جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں
 ہوئی۔ اور کبھی آپ نے اپنے نفس یا اپنے اہل و عیال کی اسائش کے لئے
 زائد از ضرورت مال رکھنا پسند نہیں کیا۔ جو کچھ ملتا تھا راہ خدا میں صرف
 فرما دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ اکثر ایسی حالت میں سوتے تھے کہ صبح کیلئے
 کچھ پاس نہ ہوتا تھا۔

آپ جو دو سخا کا مجسم نمونہ تھے ایسا نمونہ جس کی نظیر ملنی مجال
 ہے۔ آپ کو غیر مستحق سائلوں کا سوال کرنا برا معلوم ہوتا تھا مگر کبھی کسی
 سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی سائل کو دینے کے لئے
 کچھ پاس نہ ہوتا تو عذر فرما دیتے۔ اس طرح پرگویا گویا کوئی شخص اپنے
 قصور کی معافی چاہ رہا ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے کبھی

کسی سائل کے جواب میں لا (یعنی نہیں) نہیں فرمایا (بخاری و مسلم) حضور نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "اعد پہاڑ کے برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا معلوم ہوگا کہ میں رات گزارنے سے قبل سب خرچ کر دوں۔ اور اگر کچھ بچاؤں تو اتنا ہی کہ جو ادا تھے دین کے لئے ضروری ہو۔ اسی لئے تمام صحابہ اقرار کرتے تھے کہ آپ سخاوت میں سب سے بڑھ کر بلند پایہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے (بخاری کتاب الجہاد)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور سب دونوں سے زیادہ آپ رمضان شریف میں سخی ہو جاتے تھے۔ (بخاری شریف قصہ زید)

ایک موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بخیل اور سخی کو یوں سمجھو کہ دو شخص لوہے کے کرتے پہن ہوئے ہوں اور ان کے دونوں ہاتھ سینہ اور گردن سے لپٹے ہوئے ہوں۔ سخی صدقہ کرتا ہے تو اس کا کرتا ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اور بخیل جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کرتا تنگ ہو جاتا ہے۔ اور زنجیر کے حلقے اور بھی جکڑ جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث پاک میں آپ نے سمجھایا کہ دولت ایک قسم کا بار ہے سخی کو سخاوت میں اس لئے لطف آتا ہے کہ اس کا بار ہلکا ہوتا جاتا ہے

لیکن نبیل کو خرچ کرنے میں بے انتہا تکلیف ہوتی ہے اور وہ خرچ کرنے کے نام سے ڈرتا ہے۔

ایک مرتبہ بعض انصار نے حضور سے کچھ مانگا۔ آپ نے دیا۔ پھر مانگا پھر دیا یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا سب کچھ خرچ ہو گیا۔ تب حضور نے فرمایا: میرے پاس جہاں تک ہوگا میں تم سے دریغ نہیں کروں گا۔ (بخاری شریف)

آپ سے ایک شخص نے سوال کیا۔ آپ نے اسکو اس قدر بکریاں عنایت فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان سمائی ہوئی تھیں۔ (مسلم شریف)

عفران بن امیہ کافر نے جب آپ کی سخاوت دیکھی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اور دل سے اقرار کیا کہ نبی کے سوا اور کسی سے ایسی سخاوت ممکن نہیں۔ (موہب الدنیہ)

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور الوز صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نوے ہزار درہم آئے جو ایک بورے پر ڈھیر کر دیئے گئے۔ آپ نے ان سب درہموں کو تقسیم کر دیا اور کسی سائل کو رد نہیں کیا۔ اسی شام کو آپ کے گھر فاقہ تھا، بخاری

جنگ حنین کے سفر سے جب آپ واپس آئے تو اعراب نے اگر چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ اور سوال کر کے حضور کو یہاں تک تنگ کیا کہ آپ دبتے دبتے ایک درخت سے چمٹ گئے یہاں تک کہ لوگ آپ کی چادر مبارک بھی اچک کر لے گئے آپ نے

فرمایا ” لوگو! میری چادر تو ویڈو، اگر میرے پاس ان بولوں کے کانٹوں کی تعداد کے برابر اونٹ ہوتے تب بھی میں سب کے سب تمہیں دیدیتا“ حالانکہ اس سے پہلے آپ پانچ لاکھ درہم تقسیم فرما چکے تھے (بخاری)

ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ حضور نے فرمایا ”میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے تم میرے نام پر قرض لیلو میں ادا کروں گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: ”خداوند کریم نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ اپنی قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ حضور انورؐ خاموش ہو گئے۔ ایک انصاری نے چپکے سے کہا: ”یا رسول اللہ! خوب دیکھئے۔ رب العزت مالک ہے۔ تنگدستی کیا ڈر ہے۔ حضور انورؐ مسکرائے اور چہرہ مبارک بشاش ہو گیا اور فرمایا: ہاں مجھے یہی حکم ملا ہے (شفاء بچوالہ شمائل ترمذی)

ایک بار ایک سائل کو نصف دستق غنہ قرض دلا دیا۔ قرضخواہ جب تقاضے کے لئے آیا تو حضور انورؐ نے نصف دستق قرض کا اور نصف بطور جود و سخا عنایت فرمایا (شفاء)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی تھا کہ اگر کوئی شخص مقررہ منہ مر جائے اور مال باقی نہ چھوڑے تو ہم اسے ادا کریں گے اور اگر کوئی مال چھوڑے تو وہ حق و رثا کا ہے۔ (بخاری شریف)

سخاوت کا بہترین اصول مستحقین کی امداد ہے۔ آپ سے بڑھ کون سچا سخی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آپ قیاضی کی ضرورت اور اس کے مصرف کو جانتے تھے اور مسلمانوں کو اس امر کی تعلیم دیتے رہتے تھے (خاندان بنی ہاشم

(جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے) برابر آپ ہی کی مدد سے بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال کثیر آیا۔ آپ نے فرمایا مسجد میں ڈال دو۔ آپ نے اس مال کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائی اور جب نماز سے فارغ ہوئے مال کے پاس تشریف لا کر محتاجوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس موقع پر آپ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا۔ اچھا تم خود جس قدر اٹھا سکو سونا چاندی اٹھا کر لے جاؤ۔ ابن عباسؓ نے اپنی ایک چادر پچھا کر ایک گٹھڑ سیم وزر کا تیار کیا لیکن چونکہ وہ بہت بھاری ہو گیا تھا اس لئے اس کے اٹھانے کیلئے جب کسی اور سے مدد طلب کی تو آپ نے خندہ پیشانی سے فرمایا، ابن عباسؓ یہ شرط نہیں ہے تمہیں خود ہی بلا امداد غیرے اٹھانا ہوگا۔ دو چار دفعہ اپنے بوجھ کو ہلکا کر کے ابن عباسؓ اس تمام مال کو لے گئے۔ اور وہ اس قدر تھا کہ کسی کو امیر الامراء بنانے کے لئے کافی تھا۔ جب وہ روانہ ہوئے تو آپ انکی جانب دیکھتے جاتے تھے اور انکی حرص پر تعجب کرتے تھے۔ عرض کہ اس مال کو آپ برابر تقسیم فرماتے رہے جب اس میں سے ایک حصہ بھی باقی نہ رہا تو آپ اٹھ کر خالی ہاتھ گھر تشریف لے گئے (بخاری شریف)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ ایک دن اعرابی آپ کی خدمت

اقدس میں آیا اور اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کو جو موٹے کنارہ کی تھی زور سے جھٹکا دیا۔ وہ کنارہ حضور کی گردن میں ایسا دھنس گیا کہ اس سے نشان پڑ گیا۔ اور ساتھ ہی زبان سے اس نے یہ کہنا

شروع کیا کہ داے محمد خدا کا مال جو تمہارے پاس ہے۔ یہ نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا ہے اس میں سے ایک بار شتر مجھے بھی دلاؤ۔ حضور نے جو حقیقی معنوں میں سخی اور کریم تھے، تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا: "مال بے شک خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں۔ یہ کہہ کر صحابہ کو حکم دیا کہ ایک بار شتر جو اور ایک بار شتر خرما اسے دیدے جائیں دیناری و مسلم و شفا حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک بار حضور انور کی خدمت اقدس میں ایک بچے نے حاضر ہو کر عرض کیا "میری ماں نے پیراہن مبارک مانگا ہے۔ آپ نے فرمایا تھوڑی دیر کے بعد لے جانا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ میری ماں نے پیراہن شریف کے لئے مجھے دوبارہ بھیجا ہے آپ فوراً گھر میں تشریف لاتے اور بدن اطہر سے پیراہن مبارک اتار کر بچے کے حوالے کر دیا۔ حالانکہ اس کے سوا کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ تھا اور آپ برہنہ گھر میں بیٹھ رہے۔ جب نماز کا وقت ہوا۔ حضرت بلالؓ نے اذان کہی لوگوں نے کچھ دیر حضورؐ کا انتظار کیا جب آپ تشریف نہ لاتے تو سب بے قرار ہو کر گھر میں حاضر ہوئے۔ وہاں دیکھا کہ آپ برہنہ تشریف فرما ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ سخاوت میں بھی مثل اور اوصافِ حسنہ کے اس پایہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے یہ آپ کی سخاوت اور دریا دلی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ جب اس جہاں سے رخصت ہوتے تو آپ کے دولت کردہ میں یا آپ کے خزانہ خاص میں اپنے

در ثار کے لئے کچھ بھی باقی نہ تھا۔ جب آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر وفات پائی تو گھر کے اسباب میں علاوہ کھانا پکانے کے برتنوں کے جن میں اکثر ظروف مٹی کے تھے۔ ایک بوسیدہ بوریا بھی تھا جو اس وقت مرض الموت میں بستر کا کام دے رہا تھا۔ ایک زرہ اور ڈھال تھی لیکن وہ ایک یہودی کے ہاں گروی تھی (بخاری شریف)

عمر بن حارثؓ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت نہ کوئی ڈیرا چھوڑا نہ کوئی غلام، نہ کوئی لونڈی، نہ کوئی اور چیز سوائے اپنے سپید خنجر کے اور ہتھیار کے۔ اور قطعہ زمین کے جس کو اپنے صدقہ کر دیا تھا۔ (بخاری شریف)

انتقال فرمانے سے کچھ پہلے آپ نے پوچھا کہ "کچھ نقد گھر میں ہے؟" حضرت صدیقہؓ نے جواب میں فرمایا کہ "ہاں درہم ہیں" آپ نے ارشاد فرمایا۔

نحن معاشر الانبياء لا نورث ولا نرث

ہم انبیاء کا گروہ نہ کچھ دنیوی ورثہ پاتے ہیں اور نہ دنیاوی ورثہ کسی کے لئے چھوڑتے ہیں۔

ان درہموں کو خدا کی راہ میں دیدو۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا نورث ما ترکنا صدقۃ یعنی جو کچھ ہم نے چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ اس میں کسی کی میراث نہیں (بخاری شریف) اور وفات کے وقت یہ بے سرو سامانی کا عالم اس شہنشاہ

عربی کا تھا جس کے وفات پانے سے قبل مال و دولت نقد و جنس اسکے قدموں پر نثار ہو رہا تھا اور وہ آگے آگے جانا تھا اور دولت پیچھے پیچھے قدم چومنے کو آتی تھی اور جس نے جس طرح عالم تہی دستی میں دنیا اور لوازمہ دنیا کو آتے ہوئے دیکھ کر خدائے تعالیٰ کے مقابلہ میں لینے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح جب خدائے تعالیٰ نے اسے اس دنیا کا مالک و مختار کر دیا تو اس نے اس وقت بھی اس سے کنارہ کیا اور ثابت کر دیا ہے

وہ ضمیر مابنی گنجد بغیر از دوست کس پیوست
 ہر دو عالم را بدشمن وہ کہ مارا دوست پس
 حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی وی ہوئی چیز واپس لینا
 سخت برا معلوم ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

أَلْعَائِدُ فِي هَيْبَتِهِ كَالْكَلْبِ يُعْوِدُ
 جوشخص اپنے ہیبت کو واپس لے وہ مثل
 فِي قَيْئِهِ (بخاری شریف کتاب الہیہ) کتے کے ہے جو اپنی قے پھر کھالے۔
 مسلمانان عالم اگر اس اسوۂ حسنہ پر غور کرتے اور اسکو اپنا دستور العمل بناتے تو یہ روز بدان کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ جس کو آج دیکھ رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو اس قدر مال کا ایشار کرنا اور ایسا سخی بننا آج سخت مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس میں بھی کچھ کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت دوسری تھی وہ قوم کے رہنما اور پیش وائے تھے۔ خدائے تعالیٰ کے رسول تھے۔ بہت سی باتیں اور بہت سے کمالات اور بہت سے اوصاف انکے ساتھ مخصوص تھے۔ مگر پھر بھی

اپنی اپنی حیثیت اور طاقت کے موافق اس نیک عمل میں ہر مسلمان کو حصہ لینا واجب ہے بہت مال جمع کرنا اور اسی کا ہورہنا اچھا نہیں۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سخاوت جیسی صفت کو حاصل کرنے سے باز نہ رہے اور اس اسوۂ حسنہ پر حتی المقدور عمل کر کے درجات عالیہ حاصل کرنے میں ہمیشہ سعی و کوشاں رہے۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ گھر کے لوگ توفیق کرتے ہیں اور وہ اپنے اسراف کی وجہ سے باہر بڑے سخی سمجھے جاتے ہیں اس لغزش سے بھی بچتا رہے۔ سخاوت کرنے میں بھی اگر اپنوں کا زیادہ خیال رکھا جائے تو دوبرا ثواب ہوتا ہے۔

سخاوت کی فضیلت اور بیکل کی مذمت میں آپ کا ارشاد عالی ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللَّهِ قَرِيبٌ
 مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ
 بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ وَالْجَبِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ
 بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ
 قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ وَالْجَاهِلُ سَخِيٌّ
 أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ عَابِدٍ
 بِخَيْلٍ ۝

سخی خدائے تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے اور وہ جنت کے بھی، قریب ہے اور دور سے دور ہے اور خیل اللہ تعالیٰ سے دور ہے اور دور ہے اور دور سے دور ہے اور لوگوں کے بھی، قریب ہے اور دور سے دور ہے اور جہل سخی اور جاہل سخی خدائے تعالیٰ کے نزدیک بہت پیارا ہے۔ عابد خیل سے۔

(مشکوٰۃ بروایت ترمذی شریف)

مطلب یہ کہ سخی خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک محبوب و مقبول ہوتا ہے اور جنت کا سچا حقدار ہوتا ہے اور بخیل نہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اور نہ اسکی مخلوق کے نزدیک محبوب و مقبول ہوتا ہے۔ بلکہ لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے اور وہ دوزخ کا اہل ثابت ہوتا ہے۔ اور عابد بخیل سے خدا تعالیٰ کے نزدیک جاہل سخی بہت پیارا اور محبوب ہوتا ہے۔

ہو کیا بیان۔ لطف و سخاے محمدی ﷺ ضرب المثل ہے جو دو سخلتے محمدی خالی کبھی گیا نہ گدائے محمدی ﷺ قائم رہا غنائیں غنائے محمدی چھوڑے غلام سینکڑو لیکر بندھے ہوئے سوتے تھے آپ پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے
(۱۱۱ گیس)

واہ کیا جو ذکر م ہے شہ بطحا تیسرا ﷻ نہیں سنتا ہی نہیں مانگے والا تیسرا
فیض یا شہ تسنیم ترا لا تیسرا ﷻ آپ پیاسوں کے تجس میں دریا تیسرا
اغنیا چلتے ہیں وہ ہے با لا تیسرا ﷻ اصغیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیسرا
فرش دلے تری رفعت کا جلو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتے ہے پھریرا تیسرا

استقلال و استقامت

اصلاح و تبلیغ کا نازک فرض انجام دینے کے لئے سب سے بڑی ضرورت سچے استقلال اور فوق العادت عزم کی ہے تاکہ مصلح و مبلغ کو کوئی ترغیب

دختریں اس کے پاک ارادے اسکی قابل قدر مساعی سے باز نہ رکھ کے اور وہ غیر متزلزل استقامت اور عزم راسخ کے ساتھ اپنا کام کرتا رہے اور متواتر ناکامیوں اور مسلسل مواقع پیش آنے سے مایوس و ہراساں نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور ہزاروں محاسن اخلاق سے بڑے کمال متصف تھے۔ وہاں استقلال کامل اور عزم راسخ بھی آپ کے خلق عظیم کی نمایاں خصوصیت تھی۔ اپنے خدائے عزوجل کی طرف سے آپ جس خدمت کے لئے مامور ہو کر آئے تھے۔ اس کے پورا کرنے میں آپ آخر عمر تک اسی سرگرمی و دلچسپی سے کوشاں رہے جو موران الہی کا خاصہ ہے۔ سخت سے سخت مزاحمت اور شدید ترین مخالفت بھی آپ کو اپنے فرائض کے انجام دینے سے باز نہیں رکھ سکی اور آپ نے اپنے نیک مقاصد کی تکمیل میں کسی کی ملامت اور طعنہ زنی کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ کسی مایوسی و ناامیدی نے آپ کے عزم راسخ میں کبھی کوئی تغیر پیدا کیا۔

آپ کی ذات مبارک تبلیغ اسلام کے لئے ایک ایسی قوم میں مبعوث کی گئی تھی جو علوم سے بے بہرہ، مصالحت اور درگزر سے نا آشنا اور جملہ صفات انسانی سے معرا تھی حضور کو توحید و صداقت کی دعوت و اشاعت میں سخت سے سخت زحمتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ملک کا ملک دشمن تھا۔ قوم کی قوم خون کی پیاسی تھی۔ صاحب قوت و زراہی پوری طاقت سے مخالفت پر آمادہ تھے۔ با اینہم آپ کے عزم و استقلال اور استقامت کا یہ حال تھا کہ نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ اپنی کل قوم کے عادات

و طبائع . رسوم و رواج کے برخلاف توحید کا سبق سکھایا اور اسلام کی دعوت دی۔ یہ ایک ایسی دلفریب صدا تھی جس سے دیکھتے ہی دیکھتے دشت و جبل گونج اٹھے۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ چونگ گیا اور انہوں نے اس آواز کی مخالفت کو اپنا نصب العین ٹھہرایا اور آپ کی جان کے درپے ہو گئے باوجودیکہ تمام قوم ہم محلہ ہمسایہ حتیٰ کہ رشتہ دار بھی آپ کے مخالف تھے آپ کی ذات بابرکات سخت خطرے میں تھی مگر واہ رے استقلال و استقامت آپ پیغام حق سنلے اور دعوت الی الخیر کے پہنچانے سے دستکش نہ ہوئے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تبلیغ اسلام کے لئے سرگرمی سے کوشش شروع کر دی اسی استقلال و استقامت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی ہی میں کل قوم عرب دین متین کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مہنون و معاذ اللہ کہتے

تھے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :-

وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ اور کہتے ہیں کہ یہ شخص دیوانہ

د پ ۲۹ - س قلم - ۴ - ۱

جسکی اللہ تعالیٰ نے تر وید فرمائی۔

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝

د اے نبی! تم اپنے پروردگار کے فضل سے

دہرگز، دیوانے نہیں ہو جیسا کہ کافر

کہتے ہیں، اور بلاشبہ تبلیغ رسالت کے

صلہ میں، تم کو ایسا اجر ملنے والا ہے جسکا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔

مجنون سے انکی مراد وہ پاگل یا سودائی یا دیوانہ نہیں تھی جو بازاروں میں وحشیانہ حالت میں رادھرا دھرا دھر پھرتے ہیں۔ اس معنی میں تو مجنوں کا لفظ کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ کی نسبت کہہ نہیں سکے کیونکہ وہ صریحاً دیکھتے تھے کہ آپ کی اخلاقی تعلیم ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ کو بڑے سے بڑا دانشمند اور حکیم بھی ایسی تعلیم نہیں دے نہیں سکتا بلکہ وہ آپ کو اور ہی معنوں میں مجنوں کہتے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ عجیب دہنی آدمی ہے۔ ایک بات کے پیچھے ایسا پڑا ہے کہ ہرگز اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور مسلم کو بھی یہی فرمایا تھا۔

فَأَسْتَقِمَّ كَمَا
أَمْرَتُ -

دائے نبی، جن باتوں کا تجھ کو حکم دیا گیا ہے اس پر پوری استقامت رکھ د تاکہ

تیرے پائے ثبات میں لغزش نہ آئے۔

وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ
العبادات استقلال و ثبات دکھا کہ موت تک تیرے حرکات و استقلال و افعال میں فرق نہ آئے۔

وہ آواز جو شروع میں مکہ میں آپ کے منہ سے نکلی تھی وہ سخت مخالفتوں کے باوجود پست ہونے کی بجائے روز بروز اور زیادہ بلند ہوتی گئی۔ تکلیفیں اٹھائیں ہزاروں ازتیں سہیں۔ آپ کے قتل اور قید کے منصوبے سوچے گئے۔ وطن چھڑایا گیا۔ ہر قسم کی ترغیبات پیش کی گئیں۔ تمام کفار اور سارا عرب آپکی مخالفت پر تل گیا مگر ان میں سے کوئی بات

بھی آپ کی اس پہلی آواز کو نہ دباسکی۔ اور آپ نے غیر معمولی صبر و تحمل سے ان تمام مصائب کو برداشت کیا۔ پھر جب مدینہ طیبہ میں آپ کو عسروج نصیب ہوا تو اس وقت بھی وہی آواز یعنی کلمہ طیبہ اس پاک رسول کی زبان پر تھا۔ یہ فوق العادت استقلال اور استقامت ہی ایک ایسی شے تھی جو دنیا میں ایک بالکل نئی اور بے نظیر انقلاب پیدا کرنے کی اصل اصول تھی۔ اور یہی آپ کی کامیابیوں کی جڑ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس زمین اور جس جگہ پر ناقوس بجتے تھے۔ لات وعزى کی پوجا ہوتی تھی۔ آفتاب و ماہتاب اور ستارے خدا ماننے جاتے تھے وہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهِ کی آواز گونجنے لگی اور جہاں شراب، زنا کاریاں، علانیہ فسق و فجور اور نہایت ناپاک اور گندے کام ہوتے تھے وہاں خدائے پاک کی سچی توحید قائم ہونے کے بعد سچا تقویٰ اور طہارت پھیل گئی اور یہ سب کچھ آپ کے استقلال اور پاک استقامت کی بدولت ہوا اور قیامت تک اسی طرح ہوتا رہے گا۔

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ خدائے پاک کے راستہ میں جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو گھبرانہ جائے۔ کسی طرح کا شکوہ و شکایت نہ کرے۔ اور بڑے صبر سے اسے برداشت کرے۔ حضور انور نے ہزاروں مصیبتیں سہیں۔ لاکھوں دکھ اٹھائے پر جس نیک کام کو شروع کیا تھا۔ ہرگز نہ چھوڑا اور جب تک اس کو پورا نہ کر لیا آرام نہ لیا۔ پس ہمیں بھی چاہئے کہ اس اسوۂ حسنہ کی تقلید کریں اور جس نیک کام کو شروع کریں

اگرچہ تکلیفیں بھی پہنچیں اور مصیبتیں بھی اٹھائیں پر اس کام کو پورا ہی کر کے چھوڑیں۔

حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام زندگی کلمۃ اللہ کی تبلیغ اور دشمنانِ حق سے مقابلہ میں صرف کر دی۔ قرآن کریم کو پڑھ کر دیکھو کہ وہ باطل سے کیسی خوفناک ٹکڑ لیتا ہے آپ اس کو عمل میں لا کر دکھانے والے تھے۔ اگر آپ کی سوانح سے کوئی واقف نہ بھی ہو جب بھی قرآن کریم کے عمل سے پتہ لگا سکتا ہے کہ کس قدر عظیم الشان کام آپ کے سپرد تھا اور اس سے قیاس کر سکتا ہے کہ کس قدر آرام اور تن آسانی میں آپ کی زندگی بسر ہوتی ہوگی۔

جتنے مصائب آپ پر ٹوٹے اگر کسی اور شخص پر ٹوٹتے تو وہ جلد ہی مرجا جاتا مگر ہم دیکھتے کہ آپ کیسے استقلال و استقامت کا نمونہ ہیں۔ آپ کیسے صابر و شاکر ہیں۔ گیارہ بچے فوت ہوتے ہیں۔ اور آپ اتنا تک نہیں کرتے۔ عزیز سے عزیز رشتہ دار اور عزیز سے عزیز صحابہ شہید ہو گئے۔ مگر آپ ہر حال میں رضا بالقضا کا نمونہ ہی دکھلاتے رہے اور آپ کے ارادوں میں کسی قسم کے فتور یا لغزش کا نام تک نہ آیا۔ ثابت قدمی و اولوالعزمی کی مثال اس سے بڑھ بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے؟

جہاں تک تاریخِ عالم کا تعلق ہے دنیا ایسی نظیر سے خالی نظر آتی ہے کہ ایک نادار اور یتیم بچے نے بچپن سے لیکر عمر کے آخری دور تک اس قدر متضاد اور مختلف خوبیوں کو اپنے اندر جمع کیا ہو۔ حضور انور کی ذات

پاک اخلاقِ حسنہ اور کمالاتِ انسانی کی ایسی جامع مثال تھی کہ ہر وقت اور ہر جگہ اسی کی خوبیوں کا پر تو پڑتا تھا۔ مکہ معظمہ میں جب کہ رنج و مصیبت کا سامنا تھا۔ صبر و ثبات تحمل و استقامتِ رضا اور تسلیم کا جلوہ نظر آتا تھا مدینہ طیبہ میں جب کہ اطمینان اور راحت نصیب ہوتی۔ شکر و عطا، جو دو سخا و عفو کرم کا نور دکھائی دیتا تھا۔

انسان جس قدر مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے اور دنیا میں اس پر آفتیں آتی ہیں یہ سب شامیتِ اعمال ہی سے آتی ہیں۔ بعض لوگ اس دھوکہ میں پر جاتے ہیں کہ ہم پر اگر مصیبتیں آئیں تو کیا ہوا بڑے بڑے نبیوں پر آئی ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کی مصائب میں لذت ہوتی ہے وہ قربِ الہی کے بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ ان سے محبتِ الہی بڑھتی ہے اور ان کا فوق العادہ استقلال و استقامت اور رخصا اور تسلیمِ اعلیٰ درجہ کی معرفت کا باعث بنتے ہیں۔ برخلاف اس کے مصیبتیں اور بلائیں اور وہائیں جو گناہوں کی شامت سے آتی ہیں ان میں درد اور تکلیف کے علاوہ خدا سے بعد ہوتا ہے اور ایک تاریکی چھا جاتی ہے۔ آخر بالکل تباہی اور بربادی ہو جاتی ہے۔ خدا کے راستہ میں حضورِ انور کو جس قدر تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا ان میں آپ کو ایک راحت اور لذت محسوس ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفوں کی ہر ایک ممکن کوشش آپ کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کر سکی۔

حضورِ انور کی زندگی کے واقعات میں ایک روشن اور درخشندہ

واقعہ یہ ہے۔ جس سے آپ کے استقلال اور استقامت پر کافی روشن پرتی ہے کہ جب مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ مخالفت اور عداوت سے کامیابی نہیں ہوتی اور عام مظالم سے کام نہیں چلتا۔ تو عمائدین قریش نے ارادہ کیا کہ حضور کو قتل کر دیں۔ لیکن اس قتل کرنے سے پہلے انہوں نے پھر ایک دفعہ لالچ دے کر آزمانا چاہا۔ اور آپ کو تبلیغ حق سے روکنے کی آخری تدبیر کی۔ چونکہ روپیہ، عورت، حکومت، یہی تینوں چیزیں ہمیشہ دنیا داروں کا نصب العین ہو ا کرتی ہیں۔ اسی لئے عمائدین قریش اپنے معبودوں کی حمایت میں اپنی تینوں چیزوں کا لالچ دینے کے لئے سب مل کر آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے مکہ کا مشہور سردار جس کا نام عتبہ تھا۔ آپ سے اس طرح مخاطب ہوا کہ:۔

اے میرے بھتیجے محمد! ہم اب تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرتے ہیں تو اس پر غور کر اور اگر تجھے پسند خاطر ہو تو اسے قبول کر۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر اپنی اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا مقصود ہے تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تو مالاً مال ہو جاتے بلکہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنی دولت نہ ہوگی۔ اگر تجھے عزت کی ضرورت ہے تو اچھا ہم سب تجھے اپنا رئیس مان لیتے ہیں اگر تجھے حکومت کی خواہش ہے تو ہم تجھے بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں تو ہم سب کا امیر اور بادشاہ ہوگا۔ اور کوئی امر تیرے مشورہ کے خلاف نہ کریں گے اور اگر عورت چاہئے تو ہم اعلیٰ درجہ کی جمیلہ حسینہ عورت تجھے لا دیں گے

یا جو کوئی پسند خاطر ہو چکی ہو وہ بھی حاضر ہو سکتی ہے۔ مگر تم اپنا یہ طریقہ
چھوڑ دو کہ ہمارے خداؤں اور معبودوں کی توہین اور ہتک نہ کیا کرو۔ یا
کم از کم ان کے متعلق کچھ نہ کہا کرو۔ اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے تو
بتلا دو کہ ہم تمہارا علاج کریں۔

حضور نے اس کے جواب میں فرمایا۔

”جو کچھ تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں۔ مجھے مال، عزت و
دولت حکومت اور عورت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی
نہیں۔ میری حقیقت تم کو قرآن پاک کے اس کلام سے معلوم ہوگی دپھر
مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائی،

یہ فرمان خدا کے رحمن و رحیم کے حضور
سے صادر ہوتا ہے۔ یہ قرآن کتاب
ہے جس کی باتیں عربی زبان میں سمجھ
دار لوگوں کے لئے تفصیل کے ساتھ
سیان کر دی گئی ہیں ان کے واسطے
اس فرمان میں بشارت ہے اور جو
انکار کرتے ہیں انکو خدا کے عذاب سے
ڈراتا ہے تاہم بہت سے لوگوں نے
اس فرمان سے منہ پھیر لیا۔ وہ اسے
سننے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس

عَمَّ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا
عَرَبِیًّا لِّعٰوْمٍ یَعْلَمُوْنَ بَشِیْرًا وَّ
نَذِیْرًا فَاَعْرَضَ کَثَرُهٗمْ فَهَمُّ
لَا یَسْمَعُوْنَ وَاَقْلُوْا بِنٰوِ اٰیٰتِہٖ
مِمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ وَحِیٰ ذٰنِہٖ اَوْ قُرْ
وَمِنْ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ مُّغَمَّدٌ
اِنَّا عَلِیْمُوْنَ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اِنَّمَا اَللّٰهُمُّ
اَللّٰهُ وَاَحِدًا قَاَسْتَقِیْمُوْا اِلَیْہِ

وَاسْتَغْفِرُوا ذُنُوبَكُمْ لِلَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ
 الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ
 هُمْ كَافِرُونَ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ
 (پاسحہ السجدہ ۱۵)

کا ہمارے دل پر اثر نہیں۔ اور ہمارے
 کان اس کے شنوا نہیں۔ اور ہم میں
 تم میں ایک طرح کا پروہ پڑا ہے
 تم اپنی تدبیر کرو ہم اپنی تدبیر کر
 رہے ہیں۔

اے نبی ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مگر
 مجھ پر وحی آتی ہے اور خدا کے فرشتے نے یہ بتلا دیا ہے کہ سب لوگوں کا
 معبود صرف ایک ہے۔ اسی کی طرف متوجہ ہونا اور اسی سے گناہوں کی
 معافی مانگنا لازم ہے۔ ان لوگوں پر افسوس ہے جو شرک کرتے ہیں اور
 صدقہ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ خدا پر ایمان
 لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے آخرت میں بڑا اجر ہے
 ان آیات کی تلاوت ختم فرما کر حضور نے ارشاد فرمایا "اے ابو
 الولید تو نے سنا اب تجھے اختیار ہے کہ ان دو راہوں میں سے
 چاہے جس راہ کو اختیار کرے" (ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ و ۱۸۶)
 رسول اللہ صلعم کو طرح طرح کے لالچ دیکر بھی جب صائد قریش
 کامیاب نہ ہوتے تو تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کرنے کے چچا
 ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے۔
 ہم نے آپ کا بہت ادب کیا مگر حد ہوتی ہے۔ اب ہم سے تیرے
 بھتیجے کی باتیں سنی نہیں جائیں۔ وہ ہمارے دیوتاؤں اور بتوں کو

جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ اب آپ مہربانی کر کے انہیں سمجھا دیں کہ آئندہ سے اپنی زبان بند کر لیں۔ ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے۔ اور لٹے جانبداروں سے بھی اچھی طرح سمجھ لیں گے اور تم اکیلے سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔ ابوطالب سمجھے کہ اب معاملہ نازک ہو گیا ہے۔ سارے ملک کی عداوت کو دیکھ کر ان کا دل درد اور محبت سے بھر گیا۔ چونکہ ان کو یقین ہو گیا کہ اب آپ کی جان عزیز خطرے میں ہے۔ اس لئے انہوں نے حضورؐ کو اپنے پاس بلا کر سمجھانا شروع کیا کہ بیٹا! اب تم خاموش رہو۔ بت پرستی کی مخالفت نہ کیا کرو۔ ورنہ میں بھی تمہاری حمایت نہ کر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! تو اپنے آپ کو اندھ مجھ کو بچالے اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال کہ جس کی متحمل میری ضعیف ہڈیاں نہ ہو سکیں۔

ابوطالب جیسے مہربان اور حامی بچا کے ان الفاظ نے حضورؐ اور کے استقلال و استقامت میں مطلقاً کوئی تغیر پیدا نہیں کیا حالانکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ اب چچا کی اس بات سے رہی ہے جو کچھ طاقت و حمایت حاصل ہے وہ بھی جا رہی ہے۔ آپ فوراً اپنے مالک الملک صاحب قوت خدا پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور کمال استقلال و اطمینان کے ساتھ فرمایا۔

اے چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر رکھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھیں تو میں اپنے کام (تبلیغ حق) سے نہ ہٹوں گا۔

اور خدائے پاک کے حکم میں ایک حرف بھی کم و بیش نہ کرونگا۔ خواہ اس
کوشش میں میری جان بھی جاتی رہے (سیرت ابن ہشام صفحہ ۸۹ ج ۱)
یہ پاک و صاف اور پر جوش الفاظ فرما کر آپ کے آنسو بھرتے
اور وہاں سے منہ پھیر کر باہر تشریف لے آئے۔ بزرگ ابو طالب یہ الفاظ
سن کر مشدرد و حیران رہ گئے اور آپ کی اس حیرت انگیز استقامت
نے ان کے دل پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ آپ کو چھوڑ دینے یا تبلیغ حق کے
روکنے کا خیال بالکل محو ہو گیا۔ اور بے اختیار بول اٹھے کہ بھتیجے! تو جو
چاہتا ہے کر۔ خدائے کعبہ کی قسم میں تیرا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گا۔

اللہ اللہ یہ امتحان بھی کس قدر کڑا اور زبردست تھا۔ مگر حضور
الذی نے اپنے چچا کو اس مختصر جملہ میں بتلا دیا کہ تم کیا اور یہ عرب کیا اور
تمہاری حمایت کیا۔ اور انکی عداوت کیا۔ میں تو اس خدائے پاک و برتر
کے نام پر کہ جو کل طاقتوں اور عزتوں کا حقیقی مالک ہے اور اس پرستش
و لوحید کے قائم کرنے کے مقابل کائنات کی بدواہ نہیں رکھتا۔ جب
تک میرا خدا میرے صدق کو ان بد ظاہر نہ کر دے۔ یا میں اس کوشش
میں اپنی جان نہ دیدوں۔ میں اس مشن کی اشاعت سے کہ جس پر میرے
خدائے بچہ کو متعین کیا ہے باز نہیں رہ سکتا۔

سچ ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ "استقامت فی الواقع
کرامت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ وہ کچھ کر سکتی ہے جو سحر اور جادو سے
مکن نہیں۔ اس استقامت کی وجہ سے آپ اور آپ کا مشن کامیاب

ہوا اور ایسا کامیاب ہوا کہ مخالفین اب تک حیران ہیں کہ اتنی قلیل مدت میں آپ کا دین کس سرعت اور تیزی کے ساتھ پھیلا کہ جس کی نظیر انبیاء سابقین میں تلاش کرنی محال ہے بلکہ ناممکن ہے پس آپ کے اس خاص کمال کو دیکھ کر ماتا پڑتا ہے کہ آپ عزم اور خلق استقامت کے کامل مظہر تھے اور یہی آپ کی کامیابیوں کی کلید تھی جس کو دیکھ کر مخالفین کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ آپ سچے نبی تھے۔

چنانچہ مسٹر باسور تھا اسمتھ اس واقعہ کو لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ کلام اور یہ چلن ایک جوڑے مدعی رسالت کا نہیں ہو سکتا۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

توکل و اخلاص باللہ

حضرت سرور دو عالم فخر نبی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل ہر حرکت اور ہر سکون میں حکمت کے دریا موجیں مارتے ہیں کوئی بھی ایسا موقع نہیں جہاں آپ کے تعلق پورے توکل اور کامل اخلاص کا پتہ نہ لگتا۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خیال رہتا تھا اسی کے سہارے اور بھروسہ پر آپ کی پاک زندگی کا دار و مدار تھا۔ یوں تو آپ کی پاک زندگی کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ ہر ایک ساعت اور ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے توکل و اخلاص کا پورا پتہ چلتا ہے۔ مگر ذیل نمونہ چند واقعہ درج کئے جاتے ہیں جن سے جن اس مسئلہ پر کافی روشنی

پڑ سکتی ہے۔ (۱) کھانے پینے یا تلاشِ رزق کی نسبت تو آپ کا توکل اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لا يدخر شيئاً لغيره (ترمذی شریف) یعنی آپ کل کے لئے کبھی کوئی چیز گھریں نہیں رکھا کرتے تھے۔

(۲) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتدائے دعوائے نبوت اور اشاعتِ دین اسلام کے آغاز میں چونکہ کفر کی کثرت تھی اور سب کے سب وہ پتے قتل رہتے تھے اس لئے آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے گرد پہرا رہا کرتا تھا۔ جب آیت واللہ يعصمك من الناس (یعنی اے رسول اللہ تم کو دشمنوں کے شر سے بچاتے رکھے گا) نازل ہوئی تو آپ نے اسی وقت پہرہ موقوف کر دیا۔ اور فرمایا کہ اب پہرہ کی حاجت نہیں رہی۔ اب میری حفاظت کا ذمہ خدائے تعالیٰ نے لے لیا ہے۔ اللہ اللہ! آپ کا خدائے تعالیٰ پر کس قدر ایمان تھا اور واللہ يعصمك من الناس پر کیسا یقین تھا۔ راستی اور صداقت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

ایک دن آپ اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا کر سو رہے تھے کہ اتنے میں آپ کے دشمنوں میں سے ایک مشرک آیا اور تلوار اٹھا کر کھینچ لی۔ اور آپ سے کہا کہ "اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ" یعنی میرا خدا مجھے بچا سکتا ہے۔ ان ایمان سے

لبریز الفاظ سنکر اس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی پھر آپ نے خود تلوار اٹھالی اور فرمایا تو بول اب میرے ہاتھ سے تجھے کون بچاتے گا؟ وہ کہنے لگا کہ محمدؐ کا رحم بچائے گا۔ آپ نے فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کہدے۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کہتا لیکن نہ میں آپ سے لڑوں گا، نہ آپ کا ساتھ دوں گا اور نہ ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے لڑتے ہیں۔ آپ نے معاف کر دیا (بخاری شریف) اور شرح القریہ لابن حجر میں اس کا نام غورث ابن الحرث لکھا ہے جو بعد میں ایمان لے آیا تھا۔ یہ شخص اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا۔

ہو کر میں تم میں آیا ہوں۔ صفحہ ۹۹

(۴) واقعہ ہجرت ایک عجیب ہولناک واقعہ ہے۔ سارا عرب مخالفانہ خون کا پیا سا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام صرف ایک ساتھی کو لے کر مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں وہ تو میں آباد تھیں جو مذہب کی مخالفت کی وجہ سے آپ کے مارنے کی فکر میں تھیں۔ ادھر آپ کی غیر حاضری کو دیکھ کر قریش نے آپ کی گرفتاری اور قتل پر انعام مقرر کر دیا تھا۔ اور اعلان شائع کر دیا تھا کہ جو شخص رسول کریم اور آپ کے ساتھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو زندہ یا مردہ لے آئے گا اسے دو سو اونٹ فی کس انعام ملے گا۔ اس لالچ اور طمع کی وجہ سے ہر طرف آپ کی تلاش شروع ہوئی۔ ایسے موقع پر بہادر سے بہادر انسان بھی دل ہار بیٹھتا ہے۔ اور اگر کوئی نہایت قوی دل، نہایت دلیر اور خلافت معنوں پر قائم رہنے والا انسان بھی ہو تو

اس پر بھی خوف ایسا طاری ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر ایک حرکت سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی لوگوں میں سے نہ تھے۔ آپ کی نظریں دنیا کی طرف لگی ہوتی نہیں تھیں۔ بلکہ آپ کی نگاہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھی ہوتی تھی۔ دنیا کے اسباب آپ کے منظر نہ تھے۔ آپ یہ دیکھ رہے تھے کہ میرے ساتھ وہ خدا ہے جو ہمیشہ سے اپنے نیک بندوں کا محافظ چلا آتا ہے۔ اللہ جس کے وار کا کوئی دشمن مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سراقہ بن جشم للیح اور دشمنی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے تعاقب میں نکلا اور سے دیکھ کر آپ کی طرف گھوڑے کو اس طرح دوڑا دیا۔ جس طرح شکاری اپنے شکار کو لویکھ کر پکتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو دیکھ کر آپ کی طرف لپکا۔ اور تیرکمان پر چڑھا کر چاہتا تھا کہ آپ پرواز کرے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس کو دیکھ کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ایک سوار آپہنچا اور آپ پرواز کرنا چاہتا ہے۔ لیکن آپ نے سراقہ بن جشم کی اتنی بھی پرواہ نہیں کی جتنی ایک بیل کی کھاتی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ باوجود اس توکل اور بھروسے کے جو آپ میں پایا جاتا تھا۔ مڑ مڑ کر دیکھتے تھے۔ اور گھبرارہے تھے۔ مگر رسول کریم کو خدائے تعالیٰ پر اس قدر توکل اور بھروسہ تھا کہ سراقہ سے خوف و ہراس کا اظہار کرنا تو جدا آپ نے ایک دفعہ منہ پھیر کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

یہ وہ توکل و اخلاص باللہ کی انتہائی حد ہے کہ جہاں سوائے

آپ کے کسی دوسرے کی رسائی نہیں۔ آپ کی اس ادا نے سراقہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اور اسکی آنکھیں کھل گئیں کہ میں کس انسان کا پیچھا کر رہا ہوں۔ وہ مدت العمر اس نظارہ کو اپنے حافظہ سے نہیں مٹا سکا بلکہ وہ ہمیشہ اس خلاف معمول واقعہ کو بیان کرتا رہا اور کہا کرتا تھا۔ سمعت قرأتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو لا یلتفت و ابوبکر بکثرت الالتفات یعنی میں گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے اس قدر نزدیک ہو گیا کہ میں آپ کے قرآن پڑھنے کی آواز سن رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ دائیں بائیں بالکل نہیں دیکھتے تھے۔ ہاں ابوبکر بار بار دیکھتے تھے۔ آپ کے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہونے اور آپ کے تمام کاروبار کے بجانب اللہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے۔

(۵) کفار قریش نشان قدم پھیلتے پیچھتے اور پتہ لگاتے لگاتے جب غار ثور تک پہنچ گئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکی آہٹ سنی نہایت مضطرب ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ کفار آپہنچے ہیں۔ اب ہم دونوں کا نہیں خاتمہ ہے۔ حضرت رسول خدا نے ایسی نازک حالت میں جب کہ موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی اور تمام امیدوں کا خاتمہ تھا بے نظیر توکل باللہ اور استقلال و عزم المثال جو امر وی سے ارشاد فرمایا لَا تُخْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اے ابوبکرؓ کیا غم ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (توبہ پ)

یہ وہ جان بخش الفاظ ہیں جو صفحہ تاریخ میں اب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور توکل و اخلاص باللہ کی مجسم تصویر ہیں۔ یہ اسوۂ حسنہ بالخصوص مسلمانوں کے قابل توجہ ہے۔

قوم کا اعزاز و احترام

دوسروں کا ادب و احترام کرنا اور باوجود اپنے علوم و تربیت کے اوروں کے ساتھ اے کے ساتھ تواضع و انکسار سے پیش آنا انسانی خصائل میں ایک ایسی شریفانہ اور نیک خصلت ہے جس سے اخوت و اتحاد اور مساوات و یگانگت کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں۔ اس لئے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوسروں کے ادب و احترام کا بہت خیال رہتا تھا۔ اور اس امر خاص میں جو اسوۂ حسنہ حضور الوریٰ نے اپنی امت کے لئے پیش فرمایا ہے اگر مسلمان اس پر عمل کرنے لگیں تو بہت جلد اپنی کھوبی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ کبھی مجلس میں پائے مبارک دراز کر کے تشریف نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کو کنیت کے نام سے پکارتے تھے (عرب میں عزت سے بلانے کا یہی دستور ہے۔ اگر آپ کو کوئی شخص بلاتا تو آپ اس کے جواب میں لبیک (حاضر ہوں) فرمایا کرتے۔ کوئی شخص آپ کی خدمت اقدس میں آتا تو اس کی تعظیم کرتے۔ اس کا ادب بجالاتے۔ ایک دفعہ آپ حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے اصحاب اس کثرت سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ حجرہ شریف بھر گیا۔ بیٹھنے کو جگہ نہ رہی۔ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی تھے تشریف لائے اندر جگہ نہ دیکھی تو دہلیز پر بیٹھ گئے۔ آپ نے اپنی چادر لپیٹ کر ان کے پاس

پھینک دی اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیکر رونے لگے اور تہہ کر کے آپ کو واپس کر دی اور عرض لیا کہ میں اس لائق نہیں کہ آپ کی چادر مبارک پر بیٹھوں، جیسی آپ نے میری تعظیم و تکریم کی ہے خدا آپ کی تعظیم و تکریم کرے پھر آپ نے دائیں بائیں دیکھ کر فرمایا "جب تمہارے پاس کوئی آدمی آئے تو تم اسکی تعظیم و تکریم کیا کرو؟ بعض اوقات آپ کی خدمت اقدس میں کوئی حاضر ہوتا اور آپ تکیہ لگاتے بیٹھے ہوتے جس میں اتنی گنجائش نہ ہوتی کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھالیں تو تکیہ نکال کر اسے دیدیتے اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ اصرار کر کے اسے دے ہی دیتے تھے۔ یہ یاد رہے کہ یہ تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا آپ کے پاس آئی۔ آپ نے اس کی بہت تعظیم کی۔ جب آپ سے اس کا حال پوچھا گیا تو فرمایا: یہ خدیجہ درمینی اللہ عنہا کی سہیلی ہے اور انکے پاس اکثر آیا کرتی تھی۔

آپ اپنے بزرگوں کی بڑی عزت کرتے اور انکی بات مان لیتے تھے آپ کی دایہ جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا ایک دفعہ آپ کی خدمت اقدس میں آئیں تو آپ نے اپنی چادر مبارک ان کے لئے بچھادی۔

ایک دفعہ آپ کنویں پر اپنے ایک صحابی کے ساتھ غسل کرنے گئے انہوں نے ایک چادر کی آڑ آپ پر کر لی۔ جب آپ نہا چکے تو وہ صحابی نہانے لگے۔ تو آپ بھی کپڑا روک کر کھڑے ہو گئے تاکہ انکا پردہ ہو جائے

انہوں نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ ایسا نہ کریں۔ آپ نے نہ مانا۔ اور جب تک وہ غسل سے فارغ نہ ہو گئے آپ پردہ کئے کھڑے رہے جہاں آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے۔ اور عاجزوں پر رحم کرتے تھے وہاں جو لوگ نیک اخلاق ہوتے انکی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے چنانچہ حاتم طائی ایک مشہور سخی ہوا ہے اس کا نام سب لوگوں میں مشہور ہے جب اس کے قبیلہ کے لوگ قید ہو کر حضرت کی خدمت میں آئے تو ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ "آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں رہا کر دیں اور عرب قبیلوں کو ہم پر ہنسنے کا موقعہ نہ دیں میں اپنی جماعت کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا۔ قیدیوں کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔ بھوکوں کا پیٹ بھرتا تھا انہیں کھانا کھلاتا تھا۔ نشگوں کو کپڑا پہناتا تھا۔ مسافروں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جو حاجتمند شخص اس کے پاس آتا تھا۔ مقدر کے موافق اسکی حاجت پوری کیا کرتا تھا۔ اس کا نام حاتم طائی تھا۔"

آپ نے یہ فرمایا یہ ایمانداروں کی صفتیں ہیں۔ تیرا باپ چونکہ ایسا تھا اس لئے ہم نے تجھ پر رحم کیا۔ تیری قوم کو چھوڑا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے اخلاق کو دوست رکھتا ہے وہ تیرا باپ بھی اچھے اخلاق کو پسند کرتا تھا۔ یہ سن کر ایک صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ "یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نیک اخلاق کو دوست رکھتا ہے؟" آپ نے فرمایا "مجھے اس پاک خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ بہشت میں وہی داخل ہوگا جو نیک اخلاق کو

دوست رکھتا ہوگا۔

جو کوئی مل جاتا حضورؐ اسے پہلے خود سلام کرتے، دوسرے شخص کے سلام کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ آج کل کے مسلمان اس بات کے خواہشمند رہتے ہیں کہ پہلے کوئی دوسرا ان کو سلام کرے حالانکہ پہلے سلام کرنے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

آپ مصافحہ کے لئے خود پیش دستی کرتے۔ اسلام میں مصافحہ بھی محبت و اخلاص بڑھانے کے لئے ایک نیک طریقہ ہے اس لئے آپ ہر ایک امیر و غریب سے مصافحہ کے لئے خود ہاتھ بڑھاتے اور جب تک وہ شخص خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا تب تک آپ اپنے ہاتھ کو نہیں چھڑاتے تھے۔

ایک صحابی نے اپنے بیٹے کو خدمت نبوی میں بھیجا چاہا اس نے باپ سے پوچھا کہ "اگر حضورؐ اندر تشریف فرما ہوں تو میں کیونکر آواز دوں؟" باپ نے کہا جان پد کا شانہ نبوت و رباقیس و کسری نہیں ہے۔ حضورؐ کی ذات غور و تکر سے بلند ہے۔

آپ کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے تھے اگر نماز نفل میں ہوتے اور کوئی شخص پاس آ بیٹھتا تو نماز کو مختصر فرما دیتے تھے اور اسکی ضرورت کو پورا کر کے پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔

ایک شخص نے آپ کو "یا خیر البریہ" (بہترین خلائق) کہا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ذارکے ابراہیمؑ یہ شان تو ابراہیم کی ہے، آپ کسی کی دل شکنی نہیں فرماتے تھے۔ اور غلطی اور خطلے سے درگزر کرتے تھے۔ امیروں کی نسبت

عزیموں کی طرف زیادہ رغبت تھی۔ حضور کے نزدیک وہی بڑا تھا جو قوی میں بڑا ہو۔ جب کوئی آپ سے ملتا تو جب تک وہ چلا نہ جاتا تب تک آپ کھڑے رہتے۔ اگر کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا تو آپ چھڑانے کی کوشش نہ کرتے یہاں تک کہ وہ خود ہی چھوڑ دیتا۔

سجدہ تعظیمی چونکہ انسانی حرمت کا دشمن تھا اس لئے عام طور پر اس کی ممانعت فرمادی اور تمام مسلمانوں کو سجدہ تعظیمی سے روک دیا۔ چنانچہ انس بن مالک کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ ہم پر آپ کی تعظیم زیادہ واجب ہے۔ ہم بھی آپ کو سجدہ کریں؟ آپ نے فرمایا: سوائے خدا کے اور کسی کو سجدہ نہ کرنا چاہئے۔ نیز آپ نے فرمایا:۔

لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى
 خدائے تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا یعنی قبروں کو سجدہ کرنے کے

ایک دن آپ نے فرمایا کہ ”لو شیروان اگرچہ مسلمان نہیں ہے مگر چونکہ عاقل ہے اس لئے میں اسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاؤنگا۔ یعنی استقبال کے لئے جاؤنگا۔“

مفسر یہ کہ آپ پر ایک شخص کا اس کی حیثیت کے موافق ادب و احترام کرتے تھے اور خود اپنی نسبت سید و آقا کے الفاظ سنا پسند نہیں فرماتے تھے یہ وہ پاک اخلاق، نادوات اور خصال تھے جن کی وجہ سے حضور نے اپنی قوم میں خود داری، عزت و احترام کا مادہ کوٹ کوٹ کر بہر دیا اور عمومی عزت

کا وہ چانگ نمونہ دنیا کو دکھلا دیا کہ آج تک مخالفین حیران ہیں کہ ان لوگوں میں اس قدر مساوات کا ہنر کہاں سے آگیا؟

قریش جن کے عزور کا یہ عالم تھا کہ جنگ بدر میں انہوں نے انصار کے مقابلے سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ انصار پر ہاتھ اٹھانا بھی ان کے لئے عار تھا۔ لیکن ایک وقت آیا جب وہ عیس اور ایران کے زر خرید غلاموں کی برابر کر دے گئے۔

ابوسنیان جو کفار قریش کا سردار رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہ کے بڑے مقابلے ہونے کا دعویٰ تھا۔ جب اسلام لایا تو اس کو بلال و صہیب رضی اللہ عنہما کا ہم رتبہ ہو کر رہنا پڑا حالانکہ بلال و صہیب دونوں زر خرید غلام تھے۔

جید بن ابیہم ایک مشہور بادشاہ تھا۔ جب وہ اسلام لایا تو اس نے جاہا کر ایک عامی کے مقابلے میں اسکی فوقیت تسلیم کی جاتے لیکن حضرت فاروق نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا نہ کیا اور وہ اس صند پر مرتد ہو کر عیسائیوں سے جا کر مل گیا۔

مسلمانو! خدارا انصاف کرو۔ آج کل کے ایمان و اسلام کے مدعی اور حسن اور کے اتباع و اطاعت اور عشق و محبت کے دعویٰ کرنے والے کس قدر اسوۂ حسنہ سے دور جا پڑے ہیں۔ بڑے بڑے پیر اور عالموں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ادب و احترام سے اپنے متوسلین اور معتقدین کے نام لینا گناہ سمجھتے ہیں۔ خطابت کے وقت تو "کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ خدا کی مخلوق میں سے کسی انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا بہت بڑا جرم و گناہ ہے۔

افسوس بہت سے مسلمان اس حقیقت سے غافل ہیں کہ ادب کس قدر بہارت
 و پاکیزگی اور محبت و مودت و لون میں پیدا کرتا ہے۔ وہ اپنے نفسوں کو مغالطہ
 دیتے ہیں جب خیال کرتے ہیں یا منہ سے کہتے ہیں کہ وہ آپس میں بے تکلف
 دوست ہیں۔ اگر وہ حضرت نبی کریمؐ کے بیٹے ہیں اور انکو اس اسوۂ حسنہ کی
 پیروی کا دعویٰ ہے یا وہ دنیا میں اسلام کی پاک تعلیم کا نمونہ بنا چاہتے ہیں تو
 آپس میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اٹھا دیں۔ ذات پات اور شریف و رذیل کے
 ناپاک خیال کو پاؤں تلے مسل ڈالیں۔ ہر ایک کے ساتھ ادب و احترام
 سے پیش آئیں۔ حتیٰ کے غیبت میں بھی ادب سے نام لیں۔ اور ذکر کریں۔ اس
 وقت خدائے پاک و ہر تر اپنے وعدہ کے مطابق تَوَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ
 مِنْ غَيْبٍ دہم نے انکے دلوں کو تاکر ورتوں سے پاک کر دیا، کے مصداق
 انہیں بنا دے گا۔

خدائے رحیم و کریم ہم تمام مسلمانوں کو اس اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق
 عطا فرمائے اور اسلام پاک کے شیریں اور مصفا چشمے سے دور افتادہ قوموں
 کو اس کے قریب لائے۔ آمین ثم آمین۔

عبادت و ریاضت

حضور الہیؐ کی بعثت اور عقائد کا اظہار عبادت سے ہوتا ہے عبادت
 کرنے سے بندہ کا تعلق اپنے خالق و مالک سے ظاہر ہوتا ہے جو آدمی عبادت
 کرتا ہے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کو اپنے مالک رب العالمین

سے سچا تعلق ہے۔ اور نیز عبادت ایک بیج کے مانند ہے جس کا اثر روح اور جسم دونوں پر پڑتا ہے۔ عبادت جس قدر زیادہ کی جاتی ہے۔ اسی قدر وہ بیج پھلتا پھرتا ہے اور نمودار ہوتا ہے۔ انسان جب تک عملی طور پر عبادت اور بجا آوری احکام الہی سے یہ ثابت نہ کر دے کہ وہ حقیقت میں خدا پر سچا اور پکا ایمان رکھتا ہے۔ اس وقت تک وہ فیوض و برکات حاصل نہیں ہو سکتے ہیں جو مقربوں کو ملا کرتے ہیں۔

حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اسے پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص دنیا کے تمام ضروری کاموں سے کنارہ کش ہو کر صرف تسبیح لے کر بیٹھ جائے۔ حضور انور اور آپ کے صحابہ کرام نے اپنے برگزیدہ طرز عمل سے دکھا دیا کہ فرائض انسانی کیا ہیں۔ چنانچہ انکو میدان جنگ میں دیکھنے والا کبھی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ یہ لوگ مسجدوں میں خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھتے ہوں گے اور اس وقت ایسے مستغرق ہوں گے کہ کاٹھ تو ایک قطرہ خون نہ نکلے اور نماز میں انکو دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایسے تیغ زن اور بہادر ہو سکتے ہیں جو اپنی تلوار سے ساری دنیا کو لرزہ بر اندام کر دیں۔ غرض آپ اور آپ کے ساتھی ہر کام میں بے حد مستعد اور ہوشیار تھے۔ جو کرتے تھے دل سے اور خدا لے پاگ کے لئے کرتے تھے۔

حضور انور دوزخ و روحی کی حقیقی تصویر ہر وقت مومن کے سامنے ہے جب وہ خدا کا پاک کلام قرآن کریم لے کر پڑھتا ہے تو قرآن حکیم پڑھنے سے آپ کی مبارک زندگی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور آپ کی حقیقی

لائف کے واقعات کا ایک نقشہ قاری کے دل کے سامنے کھینچ جاتا ہے جس سے اسکو صاف نظر آتا ہے کہ میں خدائے قدوس کی طرح ایک عظیم الشان اور کامل انسان اور یکتا کو دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خدا کی طرح انسان کامل کے درجہ تک بھی پہنچنا محال ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص شغل نماز تھا۔ یوں تو آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں تھا جو ذکر اللہ اور وظیفہ سے خالی ہو آپ کا زرہ بکتر بھی ذکر اللہ تھا۔ آپ بیویوں کے ساتھ معاشرت کرنا بھی عبادت الہی تھا آپ کا مہانوں کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آنا بھی یاد الہی تھا۔ اور انکی مہانوازی بھی ذکر اللہ تھی۔ غرض آپ کا ہر فعل و عمل ذکر اللہ و عبادت و ریاضت میں داخل تھا۔

آپ کی مقدس اور معطر زندگی سے انسان کو ایک تسلی دینے والا سبق یہ بھی ملتا ہے کہ جو کام محض خدا کے لئے اور خدا کی تعمیل حکم میں کیا جاتا ہے وہ بھی ذکر اللہ اور عبادت و ریاضت ہی میں شمار ہوتا ہے کاش کوئی سوچنے والا سوچے اور سعید روح غور کرے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اخلاق کے کامل معلم تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ خرا کی درستی خدا ترسی اور نرم دلی سے پیدا ہوتی ہے اس لئے آپ نے نماز کی غایت تاکید فرمائی اور عملی طور پر اس کا مکمل نمونہ بن کر دکھا دیا۔ بلکہ اتنا دپر ہمزگاری ہی کو جو اخلاق کا زبدہ خلاصہ ہے مسلمانوں کے لئے موجب عزت و عظمت قرار دیا۔ دنیاوی جاہ و حشمت

کو بیچ فرمایا۔ دولت و جاہ کی کوئی توقیر نہیں کی۔ کیونکہ دولت مندی اور جاہ و حشمت دنیا جب کہ غیر متقی ہاتھوں میں ہے۔ تمام بدیوں اور بد اخلاقیوں کی جڑ ہے اور فساد و شرارت کا گھر۔

آپ کی عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ بسا اوقات صرف دو گانہ نفل میں ساری رات ختم کر دیتے تھے اور اس طرح قیام فرماتے تھے کہ پائے مبارک درم کر جاتے تھے اور بیشتر راتوں میں ذکر و نماز میں بیدار رہ کر بسر کرتے تھے حضرت مغیرہ کہتے کہ آپ کی دونوں پنڈلیاں کھڑے کھڑے درم کر جاتی تھیں (بخاری شریف)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات آپ کے ساتھ نماز تہجد پڑھی تو آپ برابر کھڑے رہے یہاں تک کہ میں بالکل تھک گیا بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت نماز تہجد کو اس قدر طول دیتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک درم کر جاتے تھے لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ تو پاک ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک بندہ ہوں۔ کیا خدائے پاک کی شکر گزاری چھوڑ دوں؟ (بخاری شریف)

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب آپ کے پیر بہت سوخ جلتے تو آپ بیٹھ جاتے تھے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو کر اور کچھ پڑھ کر رکوع کرتے تھے (بخاری شریف)

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ پاک کے خوف سے آپ کے سینے سے نماز میں ایسے رونے کی آواز آتی تھی کہ جیسے بائڈی جوش کرتی ہے۔
(سنائی شریف)

نماز کا اصلی مقصد خشوع و خضوع آپ جب کسی سے اس کا ظہور ہوتا ہوا نہ دیکھتے تھے۔ تو اس کو تنبیہ فرماتے۔ ایک بار ایک شخص نے نہایت عجلت کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز پڑھ چکا تو آپ نے فرمایا "نماز کو پھر دھراؤ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں" اس نے تین بار نماز دھرائی اور آپ نے تینوں بار لٹکا۔ آخر میں اس نے عرض کیا کہ اب میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا آپ نے تکبیر، قرأت، رکوع، سجود، قیام و قعود کے وہ طریقے بتائے جن سے اطمینان سکون وقار اور اعتدال کا اظہار ہوتا تھا۔ (بخاری شریف)

آپ نماز کے سوا دیگر عبادات میں بھی حد سے زیادہ اہتمام و سعی فرماتے تھے علاوہ ماہ رمضان کے اور دنوں میں بھی اکثر روزے رکھا کرتے تھے جن میں ایام بیض ماہ ذی الحجہ و محرم و رجب اور یوم جمعہ، عرفہ و عاشورہ کے روزے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ روزے جیسی سخت عبادت سے کبھی جی نہیں چراتے تھے بلکہ محبت و شوق سے فاقہ کشی کی سختی برداشت کرتے تھے۔ روزے سے جی چرانے والے غور کریں اور اپنے نبی کی حالت کو دیکھ کر سبق سیکھیں۔

باوجودیکہ آپ کی عبادت میں خشوع و خضوع و اخلاص اور سچا اپنی تعلق ہوتا تھا اور یا و نمود سے بالکل پاک ہوتی تھی اور آپ ایسے

استغراق و محویت سے ادا فرماتے تھے کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ آپ ایک بے حس اور بے جان بت ہیں مگر پھر بھی اگر کوئی ایسی حالت میں آپ کی خدمت اقدس میں آجاتا تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتے اور پوچھتے تم کو مجھ سے کچھ کام ہو تو کہو۔

آپ عبادات میں آسانی کی تعلیم بیان کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اوزن نے فرمایا بے شک (اسلام کا) دین آسان ہے اور دین میں جو سختی کرے گا۔ اس پر غالب آئے گا۔ (بخاری شریف) مطلب یہ ہے کہ اخیر میں وہ تھک کر خود عاجز ہو جائے گا۔ اور نیک عمل چھوڑنا پڑے گا۔ اس لئے اتنی عبادت کرنا چاہئے جو آسانی کے ساتھ ہو سکے۔

بعثن لوگ جب امامت کرتے تھے تو نماز میں طول دیتے تھے جس سے کاروباری اور ضعیف لوگ گھبرا جاتے تھے۔ ایک شخص نے اسی بنا پر امام کی شکایت کی آپ کو معمول سے زیادہ عرصہ آگیا۔ اور فرمایا تم لوگوں کو مذہب سے متنفر کر رہے ہو۔ امام کو نماز تخفیف کرنی چاہئے۔ کیونکہ ان میں مریض ضعیف کاروباری ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف) آپ عبادات میں اس عمل کو پسند فرماتے تھے جو ہمیشہ کیا جاتے چنانچہ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ "ایک دن آپ جب میرے پاس تشریف لائے تو میرے گھر میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ کون تھی؟ میں نے عرض کیا فلاں عورت ہے اور اس کی نماز

کا حال بیان کرنے لگی کہ ساری رات سوئی نہیں عبادت میں گزار دیتی ہے
آپ نے سن کر فرمایا :-

مہ علیکم بما تطیقون فواللہ بس بس! وہ کام کر جو ہمیشہ کر سکے کیونکہ

لا یمل اللہ حتی تملاوا وکلمات قسم نہ راکی اللہ (نواب دینے سے)

احب الدین الیہ ما دوام علیہ تجھے مج نہیں تم ہی تھکن جاو گئے احسن

صاحبہ (بخاری شریف) صدیقہ فرماتی ہیں کہ آپ کو وہ عمل

بہت پسند ہے جسکا کرنے والا اس کو ہمیشہ کرے۔

ماسوائے نماز۔ روزہ، حج وغیرہ احکام الہی کی بجا آوری کے آپ

ہر وقت خدا کی یاد اور اس کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہتے

تھے۔ آپ کا کوئی کام خواہ وہ کسی طرح کا ہو ایسا نہ ہوتا تھا جس میں آپ

اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرتے ہوں۔ دعویٰ کرنا آسان ہے مگر کر کے دکھانا

اور اس کا ثبوت ہم پہنچانا مشکل ہے۔

جس قدر ہادیان دین اور مصلحان قوم دنیا میں پیدا ہوئے ہیں

انکے مقابلہ میں ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص خصوصیت میں

کوئی انسان آج تک آپ کے مقابلے کا پیدا نہیں ہوا کہ جس نے اپنی زندگی

کے ہر کام میں اپنے خالق و مالک کو اس قدر یاد کیا ہو اور اسکے ذکر کا اس

قدر اہتمام کیا ہو جس قدر آئے کیا۔

مثلاً جب آپ کھانا کھانے بیٹھے بسم اللہ وعلیٰ بركة اللہ

پڑھتے اور اپنے ہاتھ سے کھانا تناول فرماتے جب کھانے سے فارغ

ہوتے تو پڑھتے۔

اللَّهُمَّ اللَّهُ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا
مِنَ الْمُسْلِمِينَ (ترمذی و ابن ماجہ) ہم کو کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور
مسلمان کیا۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی دعا کھانے کے بعد آئی ہے۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَ
أَطْعَمْنَا خَيْرًا مِنْهُ۔
(مشکوٰۃ شریف) کو کھلا۔

جب دودھ پیتے تو پڑھتے۔
اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ
وَزِدْنَا مِنْهُ۔
(بی الحدیث) دے۔

جب سوتے تو دعا فرماتے رَبِّ اسَلِّمْ نَفْسِي جَاكُنْ تُوْرَمَاتِي۔
اللَّهُمَّ اللَّهُ الَّذِي أَخْبَانِي
بَعْدَ مَا مَاتِي۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے
مرنے کے بعد مجھ کو پھر زندہ کیا۔

چاند دیکھتے تو فرماتے کہ اللَّهُمَّ أَهْلِنَا بِالْخَيْرِ وَالْعَاقِبَةِ نِيَّةً شَهْرًا
میں داخل ہوتے تو یہ دعا فرماتے کہ اے خدا اس شہر کی برکتوں سے مجھ
حصہ دیکھو اور اس کی برائیوں سے محفوظ رکھو۔

جائے ضرورت میں جاتے تو بھی دعا فرماتے۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ

مِنَ الْخُبَيْثِ وَالْخُبَائِثِ (متفق علیہ) باہر نکلتے تو غُفْرَانُكَ (الہی تیسری بخش چاہتا ہوں) فرماتے۔

اس کے علاوہ چھینک آتی تو ذکر اللہ کرتے۔ حتیٰ کہ عورتوں کے ساتھ مباشرت تک میں ذکر الہی کو لازمی قرار دیا عموماً جو دعا آپ کی زبان مبارک پر ہمیشہ رہتی تھی وہ یہ تھی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ۔ غرض کوئی موقع کوئی کام ایسا نہ تھا کہ آپ خدا پاک کے ذکر سے غافل ہوتے ہوں۔ اگر ان تمام دعاؤں کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

مختصر یہ کہ آپ کا چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا کھانا، پینا، رہنا، سہنا، سب عبادت تھا۔ آپ کی تمام زندگی عبادت میں گزری۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عنایت فرماتے کہ آپ کے اخلاق سے پورا پورا سبق حاصل کریں تاکہ ہمسایہ قومیں جو روحانیت کی پیاسی ہیں وہ بھی ہم کو اسلامی صداقت اور سرکار رسالت کے اخلاق کا زندہ نمونہ دیکھ کر اسلامی چشمہ حیات سے سیراب ہونے کے لئے آگے بڑھیں اور یہ اسی حالت میں ممکن ہے کہ خود اس پاک اور مصفے اور شیریں چشمہ سنت نبویؐ کے قریب ہو کر اس سے بہرہ اور مستفید ہوں۔

مزاج و تبسم

اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عمر بھر کسی کو گالی نہیں دی اور کبھی کوئی فحش کلمہ آپ کی زبان سے نہیں سنا گیا۔

آپ صدق اور راست گوئی کی نہایت پابندی فرماتے تھے۔ جھوٹ بولنے والوں اور منافقوں سے سخت بیزار رہتے تھے۔ البتہ خوش طبعی اور شگفتہ مزاجی آپ کو ضرور مرغوب تھی اس لئے کبھی کبھی آپ مزاج (مذاق) بھی فرمایا کرتے۔ اس میں بھی راستی اور سچائی کا خیال رکھتے تھے نہ کہ انکو حقیر اور ذلیل کرنے کی نیت سے

بعض لوگ مزاج و خوش طبعی کو تقویٰ اور تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں مگر حقیقت حال اس کے خلاف ہے مثلاً ایک شخص نماز پڑھ کر کسی دیہاتی سے اس کے اہل و عیال اور کاروبار کے استفسار میں مشغول ہو جائے اور کھیتی باڑی کے حالات پوچھ کر اس سے ہمدردی ظاہر کرے اور دوسرا شخص لا الہ الا اللہ کی تسبیح میں مصروف ہو تو بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے یعنی مسافر کے انبساط خاطر کے لئے ایسا کر رہا ہے یا کسی ہمدردی کی نیت سے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں۔ کیونکہ ہر عمل اپنے آثار اور

غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے۔ پس ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہئے اور یہی عوام الناس کی غلطی ہے کہ وہ اس کو نہیں سمجھتے۔

مشہور ہے کہ ایک آدمی ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بزرگ بہت دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے اس شخص نے جب اجازت مانگی تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا وہ بزرگ فرمانے لگے کہ ”بندہ خدا کیا کہا کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے۔ اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ساتھ اسی قاعدہ کے مطابق عمل پیرا ہوتے تھے اور حد جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ فرماتے آپ اٹھے ساتھ شریک رہتے تھے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہ کے ساتھ شامل رہتے تھے۔ اور ان لوگوں کے تذکروں کو سن کر آپ تبسم فرماتے تھے۔ آپ کا تبسم تبسم سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ اور کبھی کسی نے آپ کی آواز قہقہہ نہیں سنی، ہنسی تو ان لوگوں کو آسکتی ہے جو بالکل بے فکرموں مگر اللہ والوں کو بے فکری کہاں!

البتہ دوسروں کی خاطر سے کبھی کبھی ہنس دیتے تھے۔ آپ کا تبسم فرمانا اور قہقہہ کی آواز نکالنا بھی خوف خدا کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ آپ خود ہی اس نسبت فرماتے ہیں کہ میں کیوں کر چین سے رہوں حالانکہ صاحبِ صور تیا کھڑا ہے کہ اب حکم ہوا اور صور بھونک دئے

آپ کی یہ حالت تھی:-

مراد منزل جانان چہ امن و عیش جوں ہر دم پوچرس فریاد می دارد کہ پر بندید مجملہا
یہی وجہ تھی کہ آپ کی نسبت شمائل ترمذی میں لکھا ہے:-

كَانَ دَائِمًا الْفِكْرَةَ مُتَوَاصِلًا الْاِحْرَانُ "آپ ہمیشہ متفکر رہتے اور
برابر مغموم نظر آتے۔" اور حقیقت میں یہ بالکل سچ ہے کہ جب کسی وجہ
سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی اگرچہ کم و بیش تبسم کی
حالت ہو جائے اور یہ روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ ہے پس حضور
انور کا تبسم جو کچھ تھا وہ محض اس لئے تھا کہ آپ کے ساتھ مصالح
خلق کے وابستہ تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا اور مزاج
کی یہ حالت تھی کہ وہ بھی عوام کی حالت کے بالکل خلاف تھا جس
کی نسبت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا:-

يَأْتِيَارُ اَخَاكَ وَلَا تَأْرِحُهُ
وَلَا تَعِدُّهُ مَوَاعِدًا فَتَخْلِفُ -
(ترمذی شریف)

اپنے بھائی کے ساتھ خصومت مت
رکھو اور ایسا مزاج (مذاق) نہ کرو
کہ جس سے اس کو ایذا پہنچے اور ایسا

وعدہ نہ کرو کہ جس وعدہ کو تم بعد میں وفاق نہ کر سکو۔

آپ کے مزاج کا حال مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہو جائیگا۔

ایک بار حضرت نبی کریمؐ اور حضرت علیؑ کھجوروں کھا رہے تھے آپ
نے اپنی کھجوروں کی گٹھلیاں حضرت علیؑ کی گٹھلیوں میں ملا دیں اور فرمایا

دیکھو علی! تم نے مجھ سے زیادہ کھجوریں کھاتی ہیں۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کی طرح گٹھلیوں سمیت کھجوریں نہیں کھاتا رہا۔ (اکثر کتب سیر و حدیث)

ایک دفعہ ایک بڑھیا نے آپ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ۔ آپ دعا فرمائیں کہ خدائے تعالیٰ مجھے جنت نصیب کرے آپ نے فرمایا۔ لا تدخل الجنة عجز۔ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی بیچاری بڑھیا نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیوں بڑھیا عورتیں بہشت میں نہیں جاتیں گی؟ بڑھیا قرآن خوان تھی اس نے آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ اَمَا تَقْرَأِينَ الْقُرْآنَ اِنَّا اَنْشَاْنَهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ اَبْكَارًا رَوَادِرِزِينَ، کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا اور مجھے معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بہشتی عورتوں کو ہم ناکتھا پیدا کریں گے وہاں بوڑھی کوئی نہ ہوگی بلکہ سب جوان ہوں گی۔

ایک دن ایک شخص سے آپ نے پوچھا کہ بتلاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی؟ اس ساوہ دل نے سر نیچے جھکایا اور سوچنے لگا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہوش کر کیا تجھے تیری ماں بھول گئی۔ ایک دفعہ ایک موقع پر جب کہ آپ تمام صحابہ میں گھوڑے اور اونٹ (سواری کے جانور) تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کو بھی اونٹ کا بچہ دیدو۔ اِنِّیْ حَاصِلُکَ عَلٰی وَکْدِ نَاقَةٍ اِسْنِیْ عَرْضِ کَیَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! میں اونٹ کا بچہ کیا کرونگا۔ آپ نے ہنس کر

فرمایا وَهَلْ تَلِدُ إِلَّا بَيْتًا إِلَّا النُّوْقُ يَعْنِي ہر ایک بڑا اونٹ اونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے۔ (ترمذی و ابوداؤد)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا يَا ذَا الْأَذْنَيْنِ اے صاحب دو گوشن (ترمذی، ابوداؤد) کوئی ایسا مذاق کہ جو کسی دوسرے کی اہانت کرے یا ہتک عزت کا باعث ہو آپ کو سخت ناپسند تھا اسی لئے آپ نے فرمایا

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ صَوِيحَ الْإِيمَانِ

حتی یداع المزاح فے خالص ایمان تک آدمی نہیں پہنچتا
الکذب (ترغیب الترہیب) جب تک مزاح (ٹھٹھہ) اور چھوٹ

کو نہ چھوڑے دترغیب وترغیب امام منذری

مسلمانوں کو مزاح میں بھی سرکار مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہئے۔ اور گندے اور محنت مذاق اور دل لگی سے توبہ کرنی چاہئے۔

خداوند اکرم سب مسلمانوں کو اس اسوۂ حسنہ کی اتباع کی توفیق دے۔ آمین!!

... (بکراہ) ...

رسول اللہؐ غیروں کی نظر میں

دنیا میں سچا مذہب اور سچا رسول صرف وہی ہے جس کی سچائی پاکبازی اور حق پرستی کے معترف نہ صرف اس کے پیرو ہوں بلکہ اس مذہب کے مخالف بھی اس کی صداقت کا اعتراف کریں۔ رسولؐ مقبول کی ذاتِ اقدس نے غیر مذہب کے رہنماؤں پر کس قدر گہرا اثر کیا ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مسیحی علماء کی تحریروں سے ہو سکتا ہے۔

باسور تھا سمجھو اپنی کتاب ”مہدائینڈ محمد نزم“ میں لکھتے ہیں تمام مذاہب کے ابتدائی مرحلوں کے طے کرنے

والوں کے متعلق ہمارا علم بہت محدود ہے۔ صرف انکے رفقار کے متعلق ہیں کچھ معلومات ہم پہنچی ہے زردشت اور کنفیوشس کے بارے میں ہم سولن اور سقراط سے بھی کم واقفیت رکھتے ہیں۔ موسیٰ اور بدھ کی نسبت ہمیں ایمر وز اور اگٹائن سے بھی کم حالات معلوم ہیں۔ عیسیٰ کی زندگی کے متعلق ہمیں بہت ہی کم واقفیت ہے ہمیں انکی خانگی زندگی، آغاز وحی، مراحل رسالت کے متعلق کچھ نہیں معلوم لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے یہاں بجائے تاریخی اور عجیب از فہم واقعات کے مگر تاریخ موجود ہے۔

وہی محقق دوسری جگہ لکھتا ہے۔ اس زمانے کے واقعات

پر نظر کرتے ہوئے محمد کے مقلدین کی غیر محدود عزت دیکھتے ہوئے اور عیسائیوں کے پادریوں سے مقابلہ کرتے ہوئے میرے خیال میں محمد کے متعلق سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر تھا کہ انہوں نے قوت معجزہ کا دعویٰ نہیں کیا جو کچھ وہ کر سکتے تھے وہ ہی کہتے تھے محمدؐ نے آخری وقت تک وہی خطاب رکھا جو شروع سے انہوں نے اختیار کیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ فلسفہ اور عیسویت ایک دن اتفاقاً کامل کے ساتھ محمدؐ کی رسالت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

الگزٹریٹ اس
اپنی تاریخ ہدایت عالم میں بیان کرتا ہے
عیسائیوں کے درمیان فضول مسلسل مباحثوں
کی وجہ سے جو اختلافات نظر آتے ہیں۔ وہ دنیا میں مذہب عیسوی
کی صداقت کو داغدار کرنے والے ہیں مذہب مسیح کی زندگی فسق
و فجور سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن مسلمان عام طور سے اپنے ارکانِ مذہب
نہایت خلوص سے ادا کرتے ہیں اور معاملات میں بہت صاف
اور منصف ہیں۔

اسٹاک ہر گروئج
لکھتا ہے اسلام کے خلاف جو کچھ بیان
کیا گیا جو الزام اس پر رکھے گئے ان کو
یورپ نے بہت شوق سے سنا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے آباء و
اجداد نے تصویرِ دینِ اسلام کی پیش کی ہے وہ حقیقت کے خلاف
ہے اور مجبوراً اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ خود اپنی

مشرقی بہت سے یہودیوں اور عیسائیوں کے قبول اسلام میں وہ صداقت موجود ہے جو عیسائیت سے سبقت لے گئی ہے اور جو بالکل فطرت کے مطابق ہے۔ فی الحقیقت مسلمان اپنے اخلاق و صفات سے بسا اوقات ہم کو شرمندہ کر دیتے ہیں اور اسلام کے متعلق صحیح حالات معلوم کرنے کے بعد ہمارا تکبر و فخر خاک میں مل جاتا ہے۔

کارلائل

نامی مصنف نے لکھا ہے ”محمد کی نسبت جو عقیدہ ہم لوگوں میں عام طور سے پایا جاتا تھا کہ وہ کاذب تھے۔ اور ان کا

مذہب یکسر حماقت تھا۔ اب مٹتا جاتا ہے اور یہ الزامات ہماری روسیاء ہی کا باعث ہیں جب یوٹاک نے مسٹر گروٹیس سے دریافت کیا کہ اس واقعہ کی کیا سند ہے جو تم نے بیان کیا ہے کہ محمد نے ایک کبوتر پال رکھا تھا جو ان کے کان سے مٹرنکا لاکرتا تھا اور جس کے باعث مشہور کر دیا گیا تھا کہ وحی لایا کرتا ہے؟ مسٹر گروٹیس نے جواب دیا کہ میرے پاس اس واقعہ کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں ہے حقیقتاً اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ان فضول قصوں کو ترک کر دیا جائے، اس انسان (محمد) نے جو نصیحتیں کی ہیں وہ بارہ سو برس سے ۵۰ کروڑ نفوس انسانی کے لئے باعث ہدایت ہیں ان کو بھی خدا نے ہماری طرح پیدا کیا ہے محمد کا کلام پر بہ نسبت دیگر مذاہب کے زیادہ اعتقاد رکھنے والے ہیں۔ پھر کیا ہم خیال کر سکتے ہیں کہ جس مذہب کے تسلیم کرنے والے اتنی تعداد میں ہوں اور جس مذہب پر فدا ہونے کے لئے اتنی بڑی جماعت وہ ایک شعبہ

ہوٹیں تو ایسا خیال نہیں کر سکتا اگر فریب کو دنیا میں اس قدر ترقی ہو جائے تو پھر اس دنیا کی نسبت کوئی کیا خیال قائم کریگا۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی مفسدانہ خیال نہیں ہو سکتا کہ کسی بائی مذہب کے متعلق یہ اعتقاد قائم کیا جائے ایک جھوٹا شخص کبھی مذہب قائم نہیں کر سکتا۔ جس طرح اگر معمار چوٹے اینٹ مصالحہ کے استعمال سے ناواقف ہو اور صحت کے ساتھ اس کا استعمال نہ جانتا ہو کبھی مکان نہیں بنا سکتا اور اگر بنائے گا تو بہت جلد مٹی کا ڈھیر نظر آئے گا۔ اسی طرح ایک بائی مذہب جب تک قانون قدرت اور اس کے حصول سے واقف نہ ہو کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہوں نے نبوت و رسالت کے نعوذ و روع دعوے کئے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ زمانہ نے ان کے فریب کو جلد ظاہر کر دیا اور ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی یا

لکھتا ہے کہ ”محمدؐ“ ایک عرصہ تک یکے و تنہا ناقابلِ تسخیر مخالفوں کے خلاف ایک بلند خیال سے مغلوب ہو کر صراحت

تکولس

اور راستی کی تلقین کرتے رہے۔ شام خطرات کا مقابلہ انہوں نے نہایت کامل عزم و استقلال کے ساتھ کیا اور اپنے دشمنوں سے کہہ دیا کہ جو کچھ ان کے امکان میں ہو کر گزریں محمدؐ کی زندگی کا یہ شاندار واقعہ ایسا عجیب و غریب منظر پیش کرتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہمدردی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں صرف بیس سال کے زمانہ میں محمدؐ نے ہر قسم کی ترقی کی تخم ریزی کر دی تھی اور یہی زمانہ ما بعد میں عربوں کی سیاسی ترقی کا باعث ہوا۔

دنیا میں جتنے انسان پیدا ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ محمد ہی نے
 اپنی قوم کو سدھارا۔ مجھے یقین ہے محمدؐ نہ ریاکار تھے نہ جھوٹے بلکہ وہ بے
 ریا، نہایت سچے پرجوش مصلح تھے اور ان پر بھی ویسی ہی سچی وحی آتی
 تھی جیسی عہدِ عتیق کے کسی پیغمبر کے پاس۔ :-

— (*) ع —

خطبات جمعہ

۳۶۵

علامہ ابن نباتہؒ

۰۶۶۰

علامہ علمیؒ

خطبہ الوعظ الاعظم مترجم عربی مع اردو

مجموعہ خطبہ علمی مترجم عربی مع اردو

سیر و سوانح

۲۶۲

محمد عطار اللہ

۳۶۵

محمد عطار اللہ

۶۶۰۰

مولانا قاری احمد

۶۶۰۰

مولانا قاری احمد

۶۶۰۰

مولانا قاری احمد

۶۶۰۰

مولانا قاری احمد

۷۶۵۰

علامہ ابن خلدونؒ

۲۶۲۵

مولانا قاری احمد

۳۶۰۰

مفتی عنایت احمدؒ

۴۶۵۰

شیخ محمد خضریٰ بک

۲۶۲۵

مولانا اخلاق حسین

۱۶۵۰

مفتی انتظام اللہ شہابی

۳۶۰۰

مولانا محمد زکریا

۲۶۲۵

مفتی ولی حسن

۵۶۲۵

مفتی عزیز الرحمن

۰۶۶۵

مولانا اصغر حسینؒ

۱۶۸۷

مولانا عبد القیوم ندوی

۲۶۲۵

مولانا عبد القیوم ندوی

۰۶۶۵

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

۲۶۶۲

مولانا قاری احمد

۱۶۰۰

۰۶۲۵ | ذکر الشہادین

ہماری شہنشاہی اردو مجلد

جہاںسالمین اردو مجلد

تاریخ مسلمانان عالم جلد اول (تاریخ انبیاء کرام)

جلد دوم (تاریخ منصفین)

جلد سوم (تاریخ خلفاء راشدین)

جلد چہارم (تاریخ بنو امیہ)

سیرت الانبیاء اردو مجلد

رحمت و دو عالم مجلد

تاریخ حبیب اللہ

سیرت الخلفاء مجلد

شہدائے اسلام مجلد

شہادت حسینؑ مجلد

حکایات صحابہؓ مجلد

مذکرۃ اولیاء ہند و پاکستان مجلد

مذکرۃ مشائخ دیوبند مجلد

نیک بیبیاں (الصالحات)

مومنات مجلد

تاریخ قرآن مجلد

اعجاز القرآن

مشاہدات حرمین مجلد

صبر ایوب علیہ السلام

پوسٹ آفس آفیسر جنرل جبران کھوسو پوسٹ آفسر جنرل علی مسافر خاں کراچی

قرآن مجید و پنجوں کے شریف

نور افروز قرآن مجید دو ترجمہ والا مع کمال تفسیر اردو عکسی سائز طول ۱۰ انچ عرض ۱۰ انچ صفحات ۲۲۰
 ترجمہ اول شیخ الہند مولانا محمود حسن (اسیر اللہ) ترجمہ دوم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
 حوالہ نمبر ۳۲۳ الف قسم اول مجلد پارچہ ۲۵۰ حوالہ نمبر ۳۲۴ الف قسم دوم مجلد پارچہ ۲۵۰
 ۳۲۳ ب مجلد شپہ چرم ۲۴۰ ۳۲۴ د علیحدہ علیحدہ پارچے مجلد ۲۵۰
 ۳۲۳ پ مجلد بلا شاک کور ۲۸۰ ۳۲۵ الف قسم سوم مجلد پارچہ ۲۵۰
 ۳۲۳ د علیحدہ علیحدہ پارچے مجلد ۲۵۰

نور افروز قرآن مجید معری عکسی سائز طول ۱۰ انچ عرض ۱۰ انچ صفحات ۲۳۶
 دکنش کتابت، معیاری صحت، دیدہ زیب طباعت، ہر سطر کے نیچے باریک لائن
 حوالہ نمبر ۳۰ الف قسم اول مجلد ۸۰۲۵ حوالہ نمبر ۳۳ الف قسم دوم مجلد ۲۵۰
 ۳۰ د مجلد علیحدہ علیحدہ پارچے ۲۵۰ ۳۳ د علیحدہ علیحدہ پارچے مجلد ۲۵۰

نور افروز احوال شریف معری عکسی سائز طول ۱۰ انچ عرض ۱۰ انچ صفحات ۲۳۶
 کتابت و طباعت دیدہ زیب اور صحت معیاری ہے۔ ہر سطر کے نیچے باریک لائن ہے۔
 حوالہ نمبر ۱۳ الف قسم اول مجلد ۵۰ حوالہ نمبر ۲۳ الف قسم دوم مجلد ۲۵۰

نور افروز احوال شریف معری عکسی جلیبی سائز طول ۱۰ انچ عرض ۱۰ انچ صفحات ۲۳۶
 عکسی بلاکوں کے ذریعہ طباعت اور ہر سطر کے نیچے باریک لائن ہے زیر طبع

نور افروز قرآن مجید معری چوب تلم کلاں سائز مجلد ۵۰	دعاریخ العرش مترجم مکمل ۲
پنڈہ ٹہری متوسط سائز مجلد ۵۰	دعاریخ العرش مترجم عکسی رنگین ۲۴
دس ٹہری متوسط سائز مجلد ۵۰	دعاریخ العرش مترجم عکسی ۵۰
سٹخ ٹہری متوسط سائز مجلد ۲۰	سورۃ یس شریف مترجم عکسی رنگین ۲۲
نور افروز دوازده سورہ شریف مترجم کلاں عکسی مجلد ۵۰	سورۃ یس شریف مترجم عکسی ۵۰
خود عکسی مجلد ۲۰۰	سورۃ کہف مترجم عکسی رنگین ۲۴
نور افروز پنج سورہ شریف مترجم خود مجلد ۱۰۰	سورۃ فتح مترجم عکسی رنگین ۱۲
۱۰ سورہ شریف معری کلاں مجلد ۱۲	سورۃ انعام معری کلاں عکسی ۲۸

محمد سعید ایسٹڈ سنز تاجران کتبستان مل ٹروی سائز افروز کراچی

Marfat.com

سیاسیات

۲۷۰۰	حضرت شاہ ولی اللہ	زالہ الخفاء اردو کابل درود جلد مجلد
۳۰۰۰	علامہ سید رشید رضا	ہما مت عظمیٰ اردو مجلد
۶۶۰۰	علامہ ابوالحسن ماوردی	حکام سلطانیہ اردو مجلد

فقہ و عقائد

۲۰۶۲	شاہ ولی اللہ	تقد الجید مترجم عربی مع اردو مجلد
۱۸۰۰۰	علامہ تھانوی	سعیدی بہشتی زیور مکمل و مدلل کاغذ کلینر مجلد
۱۴۰۰۰	علامہ تھانوی	سعیدی بہشتی زیور مکمل و مدلل کاغذ روف مجلد
۰۰۶۶	علامہ تھانوی	بہشتی زیور حصہ ۱ مع ضمیمہ شہی بہشتی جوہر
۱۵۰۵۰	مولانا عبدالحی	فتاویٰ عبدالحی اردو کابل محبوب مجلد
۱۰۰۵۰	مولانا رشید احمد گنگوہی	فتاویٰ رشیدیہ کابل محبوب مجلد
۱۳۰۵۰	مولانا رشید احمد ندوی	احسن الفتاویٰ کابل محبوب مجلد
۴۰۵۰	علامہ تھانوی	الحلیۃ الناجزہ مجلد (مسائل نکاح و طلاق)
۳۰۴۵	مولانا اصغر حسین	مفید الوارثین مجلد (قانون وراثت)
۰۰۵۰	علامہ تھانوی	صفائی معاملات
۰۰۵۶	مفتی محمد شفیع	آداب المساجد
۰۰۹۳	مولانا اسماعیل شہید	تقویت الایمان
۰۰۹۳	مولانا خلیل احمد	المبند علی المفند (عقائد علمائے دیوبند)
۱۰۰۰	مولانا قاضی سید اسماعیل	فاتحہ کا صحیح طریقہ
۰۰۴۰	علامہ تھانوی	حقوق الاسلام
۰۰۹۰	خلاصۃ الفقہ	مفتاح الجنۃ
۰۰۶۵	خلاصۃ النکاح	راہ نجات

تقیفون

۴۰۵۰	شاہ ولی اللہ	فیوض الحرمین مترجم عربی مع اردو مجلد
۶۰۰۰	شاہ ولی اللہ	خیر کثیر مترجم عربی مع اردو مجلد
۴۰۵۰	شاہ ولی اللہ	البلاغ المبین مترجم فارسی مع اردو مجلد
۱۰۰۰	شاہ ولی اللہ	تحفۃ الموحدین مترجم فارسی مع اردو
۶۰۰۰	امام غزالی	منہاج العابدین اردو مجلد
۳۰۴۴	امام غزالی	تبلغ دین اردو مجلد
۹۰۰۰	شاہ عبدالغنی پھولپوری	معرفت الہیہ اردو مجلد

محمد سعید صاحب مدرسہ تاجران کتب پبلسرآن ہل مولوی مسلمانہ کراچی

Marfat.com

لغات

مفتاح اللغات عربی اردو دکنشری مع ضرب الامثال و محاورات مجلد اول ابو الفتح عزیزی
لغات الفرقان عربی اردو لغات قرآن مجلد (قاری احمد)

اصول تفسیر حدیث وفقہ

۵۰	التحریر فی اصول التفسیر اردو مجلد (مولانا محمد مالک استاذ الحدیث ٹنڈو اشدریار)
۵۰	الفوائد البکیر فی اصول التفسیر مترجم فارسی عربی اردو مع فتح النجیر مترجم عربی اردو (شاہ ولی اللہ)
۵۰	اصول حدیث اردو مجلد (مولانا امجد العلی صاحب سابق استاذ الحدیث مطلع العلوم رام پور)
۵۰	اصول فقہ اردو مجلد (مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی)
۵۰	احسن المسائل ترجمہ اردو دکنشری القائق (مولانا محمد احسن صدیقی صاحب)
۶۰۰	ترمذی شریف مترجم عربی مع اردو کابل در دو جلد مجلد (امام ترمذی)
۶۰۱۵	صحیح بخاری شریف مترجم عربی مع اردو کابل در تین جلد مجلد (امام بخاری)
۶۰۰	صحیح مسلم شریف مترجم عربی مع اردو کابل در تین جلد مجلد (امام مسلم)
۵۰۰	سنن ابوداؤد شریف مترجم عربی مع اردو کابل در تین جلد مجلد (امام ابوداؤد)
۳۰۵	مشکوٰۃ شریف مترجم عربی مع اردو کابل در تین جلد مجلد (شیخ ولی اللہ)
۱۰۵	انتخاب صحاح شریف مترجم عربی مع اردو کابل مجلد (مولانا امجد العلی)
۵۰	موطا امام محمد مترجم عربی مع اردو کابل مجلد (امام مالک بروایت امام محمد)
۵۰	مسند امام اعظم مترجم عربی مع اردو کابل مجلد (امام ابو حنیفہ)
۵۰	کتاب الآثار مترجم عربی مع اردو کابل مجلد (امام اعظم بروایت امام محمد)
۶۰۰	ریاض الصالحین مترجم عربی مع اردو کابل در دو جلد مجلد (امام نووی)
۸۰۰	موضوعات کبیر مترجم عربی مع اردو کابل مجلد (ملا علی قاری)
۴۵	تجرید صحیح بخاری اردو مجلد
۴۵	سنن دارمی شریف اردو مجلد
۴۵	کتاب الاخلاق مترجم اردو مجلد
۴۵	کتاب للعاشرت اردو مجلد
۴۵	کتاب الایمان اردو
۴۵	کتاب الطہارۃ اردو
۴۵	کتاب الصلوٰۃ اردو
۴۵	کتاب الزکوٰۃ اردو
۴۵	کتاب الجہاد

محمد سعید شاہ نئی دہلی کراچی

